1867

Mr. Pilfeili
(History)
VI yr.
M. U. Aligarh
(U.P.)

1564

# یادگار عشق

از

ثاقب عظیم آبادی

۴۹۶

سلسلۂ مطبوعات
انجمن ترقی اردو پٹنہ
نمبر ۲

# یادگار عشق

یعنی

حضرت شاہ رکن الدین عشق دہلوی ابو العلائی عظیم آبادی کے حالات زندگی

خصوصیات شاعری

اور

انتخاب کلام کا ایک دل نواز مجموعہ

از

مولوی سید حسن رضا صاحب ثاقب عظیم آبادی، ناظم شعبۂ ادبیات انجمن ترقی اردو عظیم آباد پٹنہ

مع مقدمہ

علامۂ عصر جناب معارف عالی حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی قبلہ مدظلہ العالی

باہتمام سید احمد رضا مالک و منیجر

[illegible]

URDU SECTION

# اعتذار

١٣١٠٢
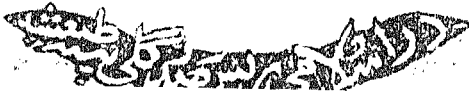
عظیم آباد کی طباعت وکتابت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوے۔ اس امر کا آپ ضرور اندازہ فرمائین گے کہ مین نے حتی الامکان صحت و صفائی کا لحاظ ہر جگہ رکھا ہو۔ تاہم مندرجہ ذیل الفاظ کتاب کے مطالعہ سے پہلے بدل لئے جائیں انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن مین اس کی بھی نوبت نہ آئے گی۔

| صحیح | غلط | صفحہ | |
|---|---|---|---|
| سرہندیہ | زاہدیہ | ۲ | حالات |
| ایک سو بیس | ایک سو | ۱۴ | |
| شاہ صاحب | شیخ صاحب | ۱۷ | خصوصیات شاعری |
| رام نرائن لال موزوں | دولت رام موزون | ۲۸ | |

شاہ کی املی
۱۵ صفر المظفر
سنہ ۱۳۴۸ ہجری

خاکسار
مؤلف

M.A.LIBRARY, A.M.U.
U13102

یہ تمہید رسالہ معارف (مئی سنہ ۲۹ء) مین بھی شائع ہو چکی ہی

# فہرست مضامین

زبان اُردو کی قابلِ قدر خدمات کے لحاظ سے عظیم آباد کے لئے بارہویں صدی ہجری ایک بے مثال تاریخی اہمیت رکھتی ہے، اس عہد زریں کے شاندار کارناموں سے واقفیت رکھنے والے، علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کے اس دعوےٰ سے کامل اتفاق کرینگے کہ "عظیم آباد ہندوستان کے اُن عظیم الشان شہروں میں ہے جس کی مردم خیزی پر ہمارے ادبیات کو ناز ہے۔"

چونکہ اس عہد کا سب سے بڑا علمی وادبی کارنامہ شعرگوئی اور سخن طرازی تھا اسلئے اس موقع پر ہمیں مختلف علوم وفنون کی جستجو نہیں، بلکہ صرف

ب

یہ دیکھنا ہے کہ شعر و سخن کے اس بازار کی رونق و سرگرمی کا طالبینِ فن کی نگاہوں میں کہاں تک قابلِ اعتبار ہے؟ اس باب میں شعرائے اُردو کے قدیم جدید مستند تذکروں کا مطالعہ اس فیصلہ پر پہونچاتا ہے کہ ملک کے تمام اہلِ نظر اور اربابِ ذوق شعرائے عظیم آباد کی خوش گوئی اور خوش مذاقی کے ہمیشہ معترف رہے ہیں، عظیم آباد کو یہ تاریخی فضیلت بھی حاصل ہے کہ میر کے بعد اُردو کا سب سے پہلا تذکرہ اسی خاک کے ایک فرزند نے تذکرۂ عشقی کے نام سے لکھا، جو اب اخلاف کی بے اعتنائیوں سے گویا ناپید ہے، اس کے علاوہ شعرا کے متعدد تذکرے یہاں لکھے گئے، جن میں تذکرۂ جوشش، تذکرۂ شورش اور گلزارِ ابراہیم کو خاص شہرت حاصل ہے، اول الذکر دو تذکرے بھی نایاب ہیں مگر تیسرا بانکی پور کے مشہور کتب خانہ مشرقیہ میں موجود ہے، اس کو مشہور فرانسیسی مورخ تاسی نے تمام تذکروں سے زیادہ پسند کیا تھا، اسلئے کہ شعرا کے متعدبہ حالات جس قدر اس میں ملتے ہیں اُن کا وجود اور کہیں نہیں، پھر سر جان گلکرسٹ کی فرمائشوں سے میرزا علی لطف اسی گلزارِ ابراہیم کو گلشنِ ہند کے نام زبانِ ریختہ میں ادا کر دیا،

تذکرۂ شعرا کے بعد خود شعرا کا ذکرِ خیر بھی ضروری ہے، دہلی مرحوم کے چمن نو بہار میں

جب خزاں کے جھونکے چلنے لگے، تو نہالان چمن نکہت گل کی طرح آوارہ گرد اور غریب الدیار ہو گئے، اور جنہیں کو جہاں پناہ ملی وہیں کا ہو رہا، اس سلسلہ میں بھی سب سے زیادہ تعداد انھیں خوش گو شعرا کی ہے جنھوں نے دلی سے نکل کر عظیم آباد کا رخ کیا، اور پھر یہیں آ رہے، دہلوی شعرا کے علاوہ اس عہد میں خود یہاں کی خاک سے اتنے نغز گو شعرا اٹھے ہیں جن کے ذکر کے لئے ایک طویل دفتر چاہیئے، ان میں سے اکثر اساتذہ دہلی سے مستفید تھے، اور بہتیرے وہ ہیں جو کسی کے آگے زانوے ادب تہہ کئے بغیر خود اپنی خوش گوئی اور خوش فکری سے مسلم الثبوت ہوئے۔ ان دنوں گھر گھر شعر و شاعری کا چرچا تھا، گلی کوچے شعرا اور شاعر سے اٹھتے تھے، اور جدھر دیکھئے ریختہ گوئی کا بازار گرم تھا پھر دہلوی شعرا کی آمد نے اس عظمت و رونق کے آسمان میں اور بھی چار چاند لگا دئے، جن میں اشرف علی خاں فغاں، میر ضیاء الدین ضیا استاد میر حسنؔ، الم اور حزیں وغیرہ ایک حیثیت امتیاز رکھتے ہیں، اور بیدل، امین، جوشش، عشق[1]، شورش، فدوی، راسخ، اس خاک کے

[1] عشق اور فدوی ہیں تو دہلوی، مگر ان کی شاعری کا وطن عظیم آباد ہے اسلئے جہاں تک شعر و سخن کا تعلق ہے انھیں عظیم آبادی کہنا شاید بیجا ہوگا۔

ایسے نغزگو شعرا ہیں، جن کی بدولت گیارہویں صدی کے ربع آخر سے
تیرہویں صدی کے ربع اول تک، دلی کے سوا ہندوستان کا کوئی
شہر عظیم آباد کا حریف نہو سکا۔

(۳)

افسوس ہے کہ استدادِ زمانہ کے ہاتھوں اسلاف کے یہ کارنامے آج
گردِ فنا میں روپوش ہیں، اور جو کچھ باقی بھی ہیں اُن کا وجود ڈوبنے والے
ستاروں سے زیادہ نہیں اسلئے ہمیں فخر و ناز کا اسوقت تک کوئی حق
نہیں پہونچتا، جبتک انھیں اپنی سعی و تلاش، کوشش و کاوش سے
دوبارہ منظرِ عام پر نہ لاسکیں، اسی جاذبہ کی کشش اور خیال کے نشوونما
نے مجھے کلیاتِ عشق سے ملایا، یہ کلیات بھی مدتوں سے اور اساتذہ کے
کلام کی طرح نایاب تھا، اصحاب ذوق جستجو و تلاش کی ناکامیوں سے
پاشکستہ ہو چکے تھے، مولانا حسرت موہانی بھی اسی جستجو و تلاش کی
امیدیں لیکر عظیم آباد تک آئے، مگر افسوس کہ انکی بھی یہ حسرت پوری
نہو سکی، یہاں تک کہ ہمارے صوبہ کے مشہور شاعر و مورخ حضرت شاد
بھی تاریخ بہار میں لکھ گئے ہیں وہ انکے چند اشعار ہمارے بزرگوں کی یاد تھے،

اور خود ان کے ذخیرۂ معلومات میں ایک مطلع سے زیادہ نہ تھا، جیسے
انھوں نے حیات فریاد میں درج بھی کر دیا ہے۔

مجھے اپنی قسمتوں پر ناز ہے کہ اپنی کم بضاعتی کے باوجود حضرت عشق
کا کلیات حاصل کر لیا، اور اب اس کا انتخاب **یادگارِ عشق** کے نام
شائع کر رہا ہوں، اس ناچیز تالیف کے **۳ باب ہیں** "حالات زندگی"
"خصوصیات شاعری" اور "انتخاب کلام"

(۳)

عشق کا کلام چند در چند خوبیوں اور اہمیتوں کے اعتبار سے ہماری
توجہ خاص کا مستحق ہے، جس پر مختلف عنوانات سے کتاب میں تفصیلی نظر ڈالی
گئی، یہاں اجمال کے ساتھ اشارہ کیا جاتا ہے عشق کو تاریخی اہمیت قدامت
تو یہ حاصل ہے کہ وہ مرزا سودا اور میر ضیا کے معاصر ہیں، اور میر تقی میر سے
پچیس سال متقدم، اس امر کا لحاظ بھی ضرور ہے کہ شاعر کا وطن تو دلی، اور
شاعری کا عظیم آباد، پھر انکی آغوش تربیت میں عظیم آباد کے چند ممتاز اور
خوشگو شعرا کا پل کر جوان ہونا بھی ان کے کمال استادی کی دلیل ہے،
ان تاریخی اہمیتوں کے ساتھ ساتھ اگر علمی و ادبی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے

جب بھی موجودہ معیار ادب سے شاذ ہی کچھ اُترتا پڑے، زبان میں سادگی و سلاست تو ایسی ہے کہ قدما میں ان کا کوئی حریف نہیں، پھر مفہوم کی دل آویزی و دلکشی، طرز ادا میں تاثیر و ترنم، جذبات و خیالات کی پاکیزگی و لطافت کلیات سے اکثر و بیشتر جگہ نمایاں اور لبریز ہے،

میں نے ابتدا میں شاہ صاحب موصوف اور ان کی شاعری پر ایک مختصر مضمون لکھا، اور چند اشعار بھی منتخب کئے تھے، لیکن جیسے جیسے کلام کا مطالعہ بڑھتا گیا، خوبیوں اور کششوں کے دروازے کھلتے نظر آئے، یہاں تک کہ میں نے اس چمنستان سرمدی کی روش روش اور پھول پھول سے مشام جان کو معطر کیا، اور اب جو ارباب معنی اور اصحاب ذوق کے لئے ایک گلدستۂ زیبا تیار ہو گیا ہے، ذوق و خلوص کے ساتھ پیش کرتے ہوئے یہ ضرور کہوں گا کہ مندرجہ بالا تاریخی، علمی، اور ادبی خوبیوں کے لحاظ سے ادبیات کے کسی طالب کو بھولے سے بھی کلام عشق کی اہمیتوں سے انکار نہیں ہو سکتا، بلکہ مطالعہ کے وقت ایک بصیرت افروز اور دل آویز مضمون ہوگا،

(۴)

شاہ صاحب موصوف کے حالات زندگی کا مطالعہ جس قدر تاریخی

کے لئے خاص طور پر کیف آور سبق آموز ہے، آپ حضرت شاہ محمد فرہاد
ابو العلائی دہلوی کے نواسے ہیں، جنہوں نے جہانگیر جیسے بادشاہِ وقت
کی اپنی محویت واستغراق کے باعث تعظیم نہ کی، اور نہ جہانگیر نے اس کا
کوئی بُرا اثر لیا، ان کی وفات کے بعد یہ دُرِ یتیم بازارِ ہند میں پیش ہوا
خواجہ مجدی خان اسکے سب سے پہلے خریدار ہوئے، جو نواب عالیجاہ
قاسم علی خاں ناظم بنگالہ کے رسالدار تھے، ان کے علاوہ
صاحب گلشن ہند کی زبان میں "آنکھوں میں امرایانِ مرشد آباد کے
احترام خاص رکھتے تھے" اور مذاق سخن جو فطری تھا، سب سے پہلے یہیں
نغمہ ریز ہوا، کچھ دنوں کے بعد یکایک طبیعت کا رنگ بدلا، اور مزاج
فقر و درویشی کی طرف آگیا، عظیم آباد پہونچے اور یہیں کے ہو رہے،
یہاں مخدوم منعم پاکؒ کے فیضانِ صحبت نے انکی زندگی میں انقلابِ عظیم
پیدا کیا، اور آپ حضرت رکن الدین عشق شاہ صاحب
ہوگئے، جو ان کے آبائے کرام کا وطیرۂ خاص تھا۔ اپنا سجادہ الگ
بچھاتے ہیں اور ارشاد وہدایت، ریاضت ومجاہدہ کے ساتھ ساتھ
شعر وسخن کا بازار گرم ہوتا ہے، ہر گھڑی اہل نظر اور اربابِ ذوق کا مجمع

پیش نظر ہو جس میں اعیانِ شہر بھی ہیں، اور بارہویں صدی جیسا تصوف کے
حق میں ساز گار زمانہ بھی ہو، غرض شاعری نے درویشی کو اور درویشی نے
شاعری کو چمکا دیا، گویا مصحفی نے شاہ ملول کے تذکرہ میں عاشق ہی کے لئے لکھا تھا۔

"شاعری و درویشی دوش بدوش می رود"

(۵)

میں نے کتاب کے مفید و دلچسپ بنانے کے لئے صحتِ حالات اور اضافۂ
معلومات میں حتی الامکان اپنی ناچیز بساط کے مطابق کسی کوشش و کاوش
اور جستجو و تلاش سے دریغ نہیں کیا، لیکن اس سے زیادہ دقتیں اور صعوبتیں
ان گتھیوں کے سلجھانے میں ہوئیں جنہیں موجودہ صدی کے بعض اربابِ قلم قلتِ غور کے باعث
الجھا گئے تھے، مثلاً ایک بزرگ نے لکھا، عشق راسخ کے شاگردوں میں ہیں، حالانکہ
خود راسخ کو عشق کے ایک شاگرد مرزا فدوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا، زندگی
کے بعض حالات، اور سنہ عمر کی تعیین میں اختلافِ روایات کی انتہا نہ تھی
جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، خود یہ تالیف عنقریب بہت جلد شرفِ خدمت
حاصل کرے گی، لیکن مقامِ شکر ہے کہ میری محنتیں رائگاں نہ گئیں، اور امور
مختلف فیہ کا تصفیہ تفسیر و تاویل سے نہیں بلکہ تحقیق و تفتیش سے ہو گیا

جسکی تکمیل و توضیح کے لئے مجھے خود حضرت عشق کے ہم عصر مورخوں اور تذکرہ نویسوں کی طرف رجوع کرنا پڑا، اس سلسلہ میں ہم اتوار خدا بخش خاں مرحوم کی لائبریری میں صرف ہوئے، گیا، پٹنہ، پھلواری اور فتوحہ کے اکثر کتب خانوں کی سیر ہوئی، ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں سے مواد حاصل ہوئے۔ کتاب میں بھی جابجا ان کے حوالے درج ہیں۔

| شمار | نام کتاب | مصنف | قلمی یا مطبوعہ | کہاں موجود ہے |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | سرو آزاد | میر غلام علی آزاد بلگرامی | قلمی | کتبخانہ مشرقیہ عظیم آباد |
| ۲ | گلزار ابراہیم | نواب علی ابراہیم خان خلیل صوبہ دار عظیم آباد | 〃 | 〃 |
| ۳ | کیفیت العارفین | حضرت شاہ عطا حسین | 〃 | کتبخانہ حضرت شاہ حسین الدین احمد (گیا۔) |
| ۴ | بیاض قدیمی | قاضی محمد اسمٰعیل | 〃 | قاضی عبدالودود (پٹنہ) |
| ۵ | کلیات بیدل | مرزا بیدل | 〃 | کتبخانہ مشرقیہ (پٹنہ) |
| ۶ | تذکرہ شعرا ہندی | مصحفی | 〃 | 〃 |
| ۷ | کلیات یحییٰ | حضرت شاہ محمد یحییٰ | قلمی | شاہ ... پٹنہ |
| ۸ | قرون ماضیہ | مولوی حکیم شعیب | 〃 | کتبخانہ مجیبیہ پھلواری شریف |
| ۹ | شعر العجم | علامہ شبلی نعمانی | مطبوعہ | |

| شمار | نام کتاب | مصنف | قلمی یا مطبوعہ | کہاں موجود ہے |
|---|---|---|---|---|
| ۱۰ | شعر الہند | مولانا عبدالسلام ندوی | مطبوعہ | |
| ۱۱ | تاریخ بہار | خان بہادر سید علی محمد صاحب شاد | 〃 | پٹنہ |
| ۱۲ | کلام شاد۔ | 〃 | 〃 | |
| ۱۳ | حیات فریاد | 〃 | 〃 | |
| ۱۴ | کاشف الحقائق | شمس العلما جناب مولوی سید امداد امام صاحب اثر | 〃 | |
| ۱۵ | جلوۂ خضر | حضرت صفیر بلگرامی | 〃 | |
| ۱۶ | کلیات طپاں | مخدوم شاہ نور الحق طپاں | قلمی | کتبخانہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ |
| ۱۷ | تذکرۃ الصالحین | جناب شاہ حبیب اللہ صاحب | 〃 | 〃 |
| ۱۸ | کلیات مراثی طپاں | مخدوم نور الحق طپاں | 〃 | 〃 |
| ۱۹ | کلیات راسخ | شیخ غلام علی راسخ | مطبوعہ | |
| ۲۰ | رسالہ معارف پھلواری شریف | مدیر مولوی حکیم شعیب صاحب | 〃 | |
| ۲۱ | نکات الشعرا | میر تقی میر | 〃 | |
| ۲۲ | گل رعنا | مولانا عبدالحی صاحب ناظم ندوہ | 〃 | |
| ۲۳ | تذکرۂ شعرائے اردو | میر حسن | 〃 | |
| ۲۴ | آب حیات | شمس العلما محمد حسین آزاد | 〃 | |

| شمار | نام کتاب | مصنف | مطبوعہ | کہاں موجود |
|---|---|---|---|---|
| ۲۶ | گلشنِ ہند | مرزا علی لطف | مطبوعہ | |
| ۲۷ | گلشنِ بیخار | نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ | 〃 | |
| ۲۸ | تذکرۂ حزین | | | |
| ۲۹ | حجۃ العارفین | حضرت سید شاہ عطا حسین رح | قلمی | کتبخانہ حضرت سید شاہ حسین الدین احمد صاحب "گیا" |
| ۳۰ | ذکر الانساب | حضرت شاہ ولایت علی رح (اسلام پور) | مطبوعہ | |
| ۳۱ | نشترِ عشق | علی قلی خاں ندیم | قلمی | کتبخانہ مشرقیہ عظیم آباد |
| ۳۲ | مجموعۂ کلام | شعرائے پھلواری | 〃 | کتبخانہ مجیبیہ پھلواری |
| ۳۳ | تکیۂ عشق کی بیاضیں | خواجہ شاہ ابوالبرکات سجادہ نشین تکیۂ عشق وغیرہ | 〃 | کتبخانہ تکیۂ عشق پٹنہ |
| ۳۴ | انتخابِ کلام میر | مولوی عبدالحق صاحب (سکریٹری انجمن ترقی اردو) | | |
| ۳۵ | تاریخ الاصرق ذکر خانقاہ ... اسلام | مولانا شاہ محمد کبیر رح | مطبوعہ | |

اس تذکرہ میں حضرت شاہ صاحب موصوف کے ذکر پر
اکتفا نہیں کی گئی، بلکہ اُس زمانہ کی علمی و ادبی محفلوں کی رونق سے
لطف اندوز ہونے کے لئے مختلف نظارے مختلف عنوانات سے
پیش کئے گئے ہیں، صوفیانہ شاعری اور عظیم آباد ۔ عظیم آباد کی اہمیتیں
خدمت زبان کے لحاظ سے، کلام عشق میں فارسی خیالات عشق اور
اُردو کے دوسرے اساتذہ، میر و عشق کا مشاعرہ، اس کی خاص فصلیں
ہیں، ان کے علاوہ بہتیری نئی معلومات کا اضافہ بھی کیا گیا ہے،
پھر اسی سلسلہ میں مرشد آباد، عظیم آباد، اور بزرگان پھلواری
جہاں جہاں حضرت عشق رحمہ کے مذاق شاعری کا
نشو و نما ہوا، وہاں کے خوش گو شعرا کے حالات و کلام، غرض
ایک سال کی مسلسل کوششوں اور کاوشوں سے اس سلسلہ کے
جتنے بھولے بسرے شعرا اور اُن کے چھپے اور بکھرے پھول مل سکے
انہیں گلدستہ میں اپنی ناچیز بساط و سلیقہ کے مطابق سجا دیا ہے
تفصیل مزید کا یہ موقع نہیں، حضرت عشق کے اشعار آبدار سے
لذت اٹھائیے اور لطافت کلام کا اندازہ فرمائیے، یہ بات ہر جگہ

ش

ملحوظ خاطر رہے کہ یہ اشعار اس عہد میں کہے گئے ہیں، جب اردو اپنے گہوارۂ طفولیت میں بے باکی اور سادہ لوحی سے کھیل رہی تھی، اور یہ انہیں شفیق مربیوں کی آغوشِ تربیت کا فیضان تھا۔ جو آج پل کر جوان ہوئی ہے،
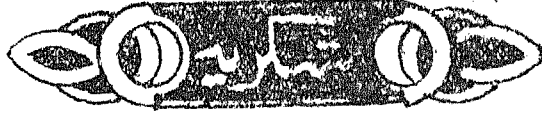
آخر میں بہ صد خلوص و آرزو میں ان تمام اربابِ نظر اور اصحابِ کرم کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی قیمتی اور بلند پایہ بصیرت افروزیوں اور مخلصانہ مشوروں نے اس کتاب کی تزئین و تسوید میں ہماری مدد فرمائی ہے ضرورت تھی کہ تفصیل کیساتھ ان کا ذکرِ خیر بھی ہوتا ہے مگر کتاب کی غیر متوقع تاخیرِ اشاعت سے تنگ آکر میں نے اس فریضہ کو دوسرے ایڈیشن کے لئے اٹھا رکھا ہے۔

از
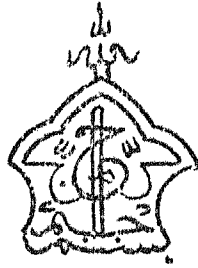
علامۂ عصر جناب معارف سولانا سید **سلیمان** صاحب ندوی ادام اللہ فیضانہٗ

بہار کی سرزمین دو متضاد صفتوں کی جامع رہی ہے، وہ جس طرح مردم خیز ہے اُسی طرح مردم خوار بھی۔ یہاں کی مٹی میں جتنی فطری صلاحیت اور استعداد ہے۔ افسوس ہے کہ اُسکی آب و ہوا میں نشو و نما کی اُتنی قدر نہیں یہاں ہر دور میں بیسیوں اہل کمال پیدا ہوئے مگر وہ اہل وطن کی ناقدری کے ہمیشہ شاکی رہے، بختیار خلجی کے فتوحات کے بعد سے پورب کا یہ قطعہ مُلک کے دوسرے قطعات سے کسی امتیاز اور خصوصیت میں فروتر نہیں رہا

تاہم تاریخ کے صفحات اُنکے ہم وطن معاصرین کی ناقدردانی کے سبب سے اُنکے ناموں اور کارناموں سے خالی نظر آتے ہیں۔ +

ہندوستان نے ارباب کمال کے تمام اصناف میں سے صرف دو کے نام زندہ رکھے ہیں مشائخ و اولیاء اور شعراء کہ وقتاً فوقتاً اُنکے باخلاص مریدوں اور معتقدوں نے اُنکے ملفوظات مکتوبات اور تذکرے لکھکر اُنکے فیوض و برکات اور زبانی و ذہنی الہامات کو قائم و باقی رکھا مگر ایک حضرت مخدوم الملک بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے رفقاء کو چھوڑ کر اس صوبہ نے ہندوستان کی اس رسم کہن کو بھی تازہ نہ رکھا "نیکی کن بدریا انداز" کے اصول پر "بزی و گمنام باش" یہاں کے ارباب کمال کی دستار فضیلت کا طرۂ امتیاز رہا۔ +

سلطان سلیم شاہ لودی کے زمانہ میں شیخ بڑہ یا شیخ بڈھ بہاری[1]

---

[1] تاریخ فرشتہ کے جامعہ عثمانیہ کے مترجم (ترجمہ تاریخ فرشتہ اردو جلد دوم) اس پر حاشیہ صفحہ ۱۹۰ میں لکھتے ہیں کہ بہار کی جگہ بیانہ چاہئے۔ اور بڑہ کی جگہ بھودہ، لیکن اس تصحیح کی سند معلوم نہیں۔ شاید مترجم کو اُن بھودہ خان طبیب کا خیال ہو جنھوں نے سکندر شاہ لودی کے لئے ہندی طب پر ایک

ایک نامور طبیب اور ممتاز شیخ تھے۔ شیر شاہ سوری کو ان سے ایسی عقیدت تھی کہ خود اپنے ہاتھ سے وہ اُنکی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ شیخ علائی کے مشہور ہنگامہ میں دارالسلطنت آگرہ کے علما کی باہمی کشاکش سے گھبرا کر ان میں شیخ بڑھ کو اُسنے حکم مقرر کیا تھا۔ اور اسی ضمنی حیثیت سے تاریخوں میں انکا تذکرہ ہے اور اسی ضمنی تذکرہ سے معلوم ہوا کہ انھوں نے ملک العلماء دولت آبادی کی تصنیف ارشادٗ کی ایک شرح لکھی تھی جیسا کہ بدایونی میں ہے۔ ۱۰

اکبری دور میں بہار میں محدثین کے ایک خانوادہ کا پتہ لگا ہے۔ جس نے مولانا یٰسین گجراتی اور شیخ نور الحق بن شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے اکتساب فیض کیا تھا۔ اسکے بعض ارکان کے نام یہ ہیں۔ ملا فولاد الوقت" مولانا شیخ عبدالرزاق بہاری، "شیخ الوقت" مولانا عبدالغنی، مولانا عبدالمقتدر محدث۔ مولانا محمد عتیق بن عبدالسمیع بہاری۔ مگر یہ نام

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲

کتاب لکھی ہے۔

حالانکہ تاریخ فرشتہ (احوال سلطنت سلیم شاہ سوری) اور منتخب التواریخ بدایونی (مطبوعہ کلکتہ) جلد اول صفحہ ۴۰۶ میں تصریح بہار لکھا ہے۔ ۱۲ ۹

اسی طرح مفقود تھا ہیں کہ انکی دی ہوئی ایک سند حدیث پھلواری میں قلمی ملی ہے۔

عالمگیر کے عہد میں فتاوی عالمگیری نام جو مستند و معتبر کتاب علما کی ایک جماعت نے بادشاہ کے حکم سے لکھی تھی، اسمیں بہار کے علما بھی شریک تھے مگر ان کی تحقیق صرف اسی قدر ہے کہ ان کے خاندان میں یہ روایت چلی آتی ہے کہ انکے اسلاف کو یہ عزت حاصل ہوئی تھی۔ آخر زمانہ کے علما میں ملا محب اللہ بہاری جو سلم و مسلّم کے مصنف ہیں۔ اور جو عالمگیر کے عہد میں کابل کے قاضی اور بہادر شاہ اول کی حکومت میں کل ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے۔ انکے حالات کی چند سطریں صرف آزاد بلگرامی کے صدقے میں آج ہمارے سفینۂ علم میں ہیں حالانکہ یہی وہ ہستی ہے جسکی دونوں مذکورۂ بالا کتابیں اودھ کے مشہور علمی خاندان فرنگی محل کی پوری ایک صدی تک ذہنی جولانگاہ رہی ہیں۔ یہ چند سطریں آزاد کے صحیفہ (سبحۃ المرجان اور ماثر الکرام) میں صرف اس تعلق سے باقی رہ گئیں کہ ملا محب اللہ ملا قطب الدین تھانوی کے ہمدرس، اور ملا قطب الدین شمس آبادی کے دونوں

شاگرد اور پھر لکھنؤ کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔

ملا غلام یحییٰ بہاری جنکے حاشیہ کا پڑھنا اور پڑھانا آج سو برس سے ہندوستان کے نصاب فلسفہ کا منتہائے کمال سمجھا جاتا ہے، اُن کی پوری سوانح عمری کا اتنا ہی حصہ معلوم ہے کہ وہ حضرت میرزا مظہر جانجاناں کے مرید تھے، اور شمس العلماء آزاد نے آبحیات میں میرزا جانجاناں کی لطافت طبع، اور ملا غلام یحییٰ کی درازی ریش کا لطیفہ لکھا ہے۔ گزشتہ صدی کے واقعات کو جانے دیجئے۔ اس صدی کے بزرگوں کے نام لیجئے جنکے فضل و کمال کے آوازہ سے اُن کی زندگی میں پورا ہندوستان پرشور تھا۔ مگر اب تاریخ کے نقارخانہ میں انکے نام کی بھنک بھی سُنائی نہیں دیتی، مولانا ابراہیم صاحب آروی، شمس العلماء مولانا محمد سعید عظیم آبادی۔ مولانا محمد کمال صاحب۔ مولانا حکیم عبد الباری صاحب۔ مولانا محمد ظہیر احسن صاحب شوق نیموی، حکیم محمد نصیر صاحب۔ مولانا حکیم عبد الحمید صاحب۔ مولانا شاہ عین الحق صاحب پھلواری، مولانا شمس الحق صاحب محدث اور صوبہ کے مشرقی دیہاتوں میں مولانا وحید الحق صاحب (استھانواں) مولانا یعقوب صاحب

اور مولانا مصطفیٰ شیر صاحب (دیسنہ) مولانا احسن صاحب (گیلانی)
مولانا سعادت حسین صاحب (کہٹہ) مولانا بشارت کریم صاحب
(پڑھوکہ) مولانا محمد رفیع صاحب (شکرالوان) مولانا قاری
عبد اللہ صاحب (شاہ پور۔ بازیدپور) وغیرہ وہ نادرۂ روزگار
ہستیاں تھیں جن کے دامن تربیت میں سیکڑوں باکمال پلکر جوان ہوئے
مگر افسوس کہ اُنکے سوانح حیات کا ایک صفحہ بھی ہمارے پاس محفوظ نہیں
آج کتنے کو معلوم ہے کہ دہلی اور ٹونک کے وہ نغمہ طراز بلبل جن کی
نغمہ سنجیوں سے باغ ہند کا گوشہ گوشہ معمور رہا۔ اُن کا آشیانہ اسی
سرزمین کا ویرانہ تھا۔ محدث عالم مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی کا
آفتاب سورج گڈھ سے طلوع ہوا تھا۔ مولانا حکیم برکات احمد صاحب
ٹونکی کا مرز بوم مونگیر کا قریہ ہے۔ مولانا مفتی عبد اللہ صاحب ٹونکی بختیارپور
کے قریب کسی دیہات سے تعلق رکھتے تھے۔ +

الغرض یہ اس شیراز ہند، پورب کے آخری خطہ کی یہ طبعی و فطری خصوصیت
ہے جسکا نہ ہونا شکایت آج بے سود ہے۔ +

اس سرزمین میں علماء اور فضلاء کا جو حال ہوا۔ وہی شعراء کو پیش آیا۔

حالانکہ میر کی نکات الشعرا (سنہ ۱۱۶۵ھ) اور تذکرہ حسرت (سنہ ۱۱۷۴ھ) کے بعد سخن گویانِ اردو کے ابتدائی تذکرے یہیں مدون ہوئے۔ شورش نے سنہ ۱۱۹۴ھ اور عشقی نے سنہ ۱۲۱۵ھ[1] کے لگ بھگ میں شعرائے اردو کے تذکرہ لکھے یہ دونوں تذکرے عظیم آباد ہی میں لکھے گئے، ان کے علاوہ گلزار خلیل اور اس کا ترجمہ گلشن ہند بھی، اسی چمن زار کے برگ و بار ہیں۔ لیکن ان پرانے تذکروں کا بھی ماحصل نام و تخلص اور چند منتخب اشعار کے سوا کیا ہے۔ ؟

خاص عظیم آباد نژاد اور دہلی سے آکر یہاں بسنے والے شعرا کی بڑی تعداد ہے۔ خواجہ امین الدین امین۔ سید جیا علی بسمل عبد القادر بیدل ملا محمد علیم تحقیق۔ شیخ محمد روشن جوشش، میر باقر حزیں۔ ہیبت علیخاں حسرت، میر غلام حسین شورش، رحمت اللہ عشقی، شاہ رکن الدین عشق غلام حسین محرم۔ آغا حسین قلی خاں عشق۔ ظریف الملک کوکب خاں

---

[1] شعر الہند کے مقدمہ میں بحوالۂ معارف جو اس کا سنہ ۱۱۱۵ھ میں تالیف پانا لکھا ہے وہ غلط ہے اس سے اس کتاب کے مصنف کو بھی دھوکا ہوا ہے۔ (صفحہ ۲۷) ۱۲ منہ

اشرف علی فغاں (خان)، میرزا محمد علی فدوی۔ محمد شاکر ناجی۔ شیخ غلام علی راسخ، مرزا مظہر علی جذب۔ شیخ غلام یحییٰ حضور۔ میر محمد تسلیم راجہ پیارے لال الفتی، شیخ محمد عابد دل، شاہ الفت حسین فریاد وغیرہ نامورانِ سخن کے حالات وواقعات اور انکے شعر وسخن اور فضل وکمال کی تصویریں اگر کاغذ پر کھینچی جائیں تو آبحیات کا ایک نیا طلسم تیار ہو سکتا ہے۔

شکر کا مقام ہے کہ ملک کی نئی نسل کو اپنے پرانے بزرگوں کی یادگاروں کو زندہ کرنے کا شوق پیدا ہو رہا ہے، اسی شوق کا ایک نتیجہ موجودہ کتاب یادگارِ عشق ہے، مولوی حسن رضا صاحب ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ان پرانے بزرگوں میں سے حضرت شاہ رکن الدین ابو العلائی المعروف بہ شاہ گھسیٹا المتخلص بہ عشق شاہ جہان آبادی عظیم آبادی کے کارنامۂ حیات کو اس نئے زمانے میں نئے آب و رنگ پیش کیا ہے۔

سب کو معلوم ہے کہ شیراز سے لیکر دلی تک تصوف اور شاعری نے دوش بدوش نشو و نما پائی ہے، سلطان ابو سعید ابو الخیر اور خواجہ فرید الدین عطار

رحمۃ اللہ علیہ نے جب شاعری کو تصوف کی زبان قرار دیا۔ اُسوقت سے لیکر آج تک معرفت ربانی اور معاملات دل کے رموز و حقائق اسی زبان میں ادا ہوتے رہے ہیں۔ اور جب تک لکھنؤ نے اس خانقاہ کی بولی کو کوچہ و بازار کی زبان نہیں بنا دیا تھا۔ یہ معرفت کا گنجینہ اور حقیقت گوئی کا مرقع رہی، لیکن لکھنؤ کے بازار میں آکر اس پوت کا وقار قائم نہ رہا۔ اور جمال لن ترانی کے بجائے حسن ہزار رقیب اسکا موضوع قرار پاگیا۔ شاہ گلشن۔ میرزا مظہر۔ خواجہ میر درد۔ میر محمد اثر شاہ رکن الدین عشق کے اسرار، ہر بوالہوس حسن پرست کا ترانہ شوق بن گیا۔ خانقاہوں میں اُترنے والی حور بازاروں کی ہرجائی بن گئی صدائے غیب والہام کی زبان جنون وسودا کی بڑ ہوگئی۔ **طور کا** مقدس افسانہ اصرار دانکار، ہر لب بام اور ہر رہگذر کے ہجر ووصال کی حکایت تھی۔ ٭

شاہ رکن الدین عشق بھی اسی اگلی مے دو آتشہ کے متوالے تھے جو ہمیشہ پرانے بزرگوں کی شراب الصالحین رہی ہے، عشق کے پیالہ میں شراب معرفت اور بادۂ سخن دونوں کی آمیزش تھی، اسی لئے

اُن کا کلام دونوں حلقوں میں مقبول ہوا اور دونوں درباروں سے اُن کو حُسن قبول کی سند ملی، اونکے سوانح نگاروں نے بھی اُن کے تذکرہ میں اُن کی ان دو گونہ کیفیتوں کا ذکر کیا ہے۔

میرزا علی لطف اپنی گلشنِ ہند میں علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی کے گلزار ابراہیم کے حوالہ سے جو ۱۱۹۸ھ ہجری میں تالیف پائی۔ لکھتے ہیں یہ وہ وقت تھا جب حضرت عشق مسند حیات پر جلوہ آرا تھے۔

"عشق تخلص، شاہ رکن الدین نام، شاہ گھسیٹا کر کے مشہور تھے"

"شاہ جہاں آبادی، نواسہ شاہ فرہاد کے، عمدہ مشائخوں میں سے دلی کے"

جہاں بیان ہوتی شاہ فرہاد کی حالت سکر و مستی ہے تو کہتے ہیں کہ، اس عالم میں تعظیم بادشاہ کی نہیں کی ہے۔ غرض عشق ایام شباب میں شاہ جہان آباد سے مرشد آباد میں آئے اور خواجہ محمدی خاں مرحوم کے ساتھ ایک مدت ایام حیات بعزت تمام بسر لائے۔ اگرچہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے لیکن آنکھوں میں امرایانِ مرشد آباد کے نہایت احترام رکھتے تھے۔ بعد ایک عرصہ کے اپنے بزرگوں کے طور پر مزاج فقر و درویشی کی طرف آیا اور تکیہ فضل ایزدی پر کر کے طورِ استقامت کا عظیم آباد میں ٹھہرایا، پھر تو نہایت

زور و شور کے ساتھ مشیخت پناہی کی اور معتقدوں کے ہجوم سے عالمِ درویشی میں شاہی کی۔ طالبانِ راہِ حق کو ہدایت مطلب سے خالی نہ چھوڑا۔ بقول علی ابراہیم خاں مرحوم ۱۱۹۵ھ گیارہ سو پچانوے[1] ہجری تک دادِ حال و قال کی دی۔ آخر بلدۂ عظیم آباد میں مرشدِ حقیقی قضا کے ارشادِ دعوت پر لبیکِ اجابت بآوازِ بلند کہی۔ دیوان اس شیخت دست گاہ کا زبانِ ریختہ میں مرتب ہے، یہ اُس کا منتخب ہے۔ +

میر حسن دہلوی مرحوم (المتوفی ۱۲۰۱ھ) جو حضرت عشق کے ایک دوسرے ہمعصر تذکرہ نویس ہیں، لکھتے ہیں[2] "خورشید سپہرِ حال و سپہرِ خورشیدِ کمال، مالکِ کنوزِ دقائق، و کاشفِ رموزِ حقائق، کلامش بمذاقِ تصوف آشنا، و نورِ صفائے باطنش چوں آئینۂ صبح دل کشا، دریں صفا عارف صاحبِ کمال، و درویشِ بے مثال شاہ رکن الدین عرف میرزا گھسیٹا المتخلص بہ عشق، موصوفی ست کہ خیلِ مریدان و معتقدان حلقۂ غلامی

---

[1] ہر کتاب یادگارِ عشق کے صفحہ ۵ میں علی ابراہیم کے فارسی تذکرہ گلزارِ ابراہیم سے یہ سنہ یکہزار و یک صد و پنج نقل کیا گیا ہے یا سہواً چھپ گیا ہے ۱۱۰۵ھ اس کو یکہزار و یک صد و نود و پنج ۱۱۹۵ھ ہونا چاہیئے۔ "سلیمان"

دارند، در سلسلۂ نقشبندیہ نفس زدہ، اصلش از شاہجہان آباد است
بیشتر نوکری پیشہ بود، الحال از مدتے ترک روزگار نمودہ بہ عظیم آباد
مقیم است، مرزا فدوی از شاگردان و معتقدان او ست۔ شعر
عارفانہ در کلامش بسیار است، گاہے در ذوق و شوق یا بعالم وجد
دو سہ شعر می فرماید، دام افضالہ،

چمنِ عشق میں فیوض و برکات کی بہار جس گلستانِ بے خزاں سے آئی ہے اُس کا نام سلسلۂ ابو العلائیہ منعمیہ ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سلسلہ کی تھوڑی تشریح کر دیجائے، یہ سیدنا ابو العلا، اکبر آبادی حضرت مخدوم منعم پاک قدس سرہما کی طرف منسوب ہے، حضرت عشق کا تعلق اس سلسلہ سے خاندانی اور موروثی تھا، اس سلسلہ کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) ۱۱۹۵ اس فقرہ سے یہ سمجھنا کہ یہ تاریخ وفات ہے۔ (یادگار عشق صفحہ ۱۴) صحیح نہیں بلکہ علی ابراہیم خاں کے تذکرہ کی ان سطروں کی تحریر کا سنہ ہے۔ چنانچہ خود مصنف یادگار عشق نے اصل گلزار ابراہیم سے گلشن ہند کی اس اُردو عبارت کا اصل فارسی فقرہ جو نقل

کہ اس کے اکثر بزرگ اوائل میں شاہی درباروں سے اُٹھ کر شہنشاہ علی الاطلاق کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں۔

**سیدنا ابوالعلا** | سیدنا امیر ابوالعلا، خاندانی امرائے شاہی میں تھے آپکے دادا امیر عبدالسلام اور آپکے والد ماجد امیر ابوالوفا۔ ترکستان کے شہر سمرقند سے جلال الدین اکبر کے عہد میں فتحپور سیکری آکر مقیم ہوئے۔ سیدنا ابوالعلا، مضافات دہلی میں سے نریلہ نام مقام میں پیدا ہوئے آپکے والد نے آپ کو کمسن چھوڑ کر انتقال کیا۔ اس لئے یہ دُرِ یتیم اپنے نانا کے دامنِ تربیت میں آیا، آپ کے نانا خواجہ فیضی بنگالہ میں بردوان کے ناظم تھے، اس تعلق سے آپ بردوان گئے۔ نانا کے مرنے پر آپ امرائے شاہی میں داخل ہوئے مگر توفیق ازل کی دعوت پر بہت جلد امیر نواز شہنشاہ ہند کی بارگاہ معلے سے الگ ہو کر سلطان الہند غریب نواز

---

(بقیہ صفحہ ۱۲) کیا ہے اُس میں یہ مطلب صاف ہے۔ "تاحال سنہ یکہزار و یکصد و نود و پنج ۱۱۹۵ھ ہجری ہست کہ آں صاحب حال مرجع کمال در ارشاد طالبان حق اشتغال دارد"، مرزا علی لطف نے گلشن ہند میں اس فقرہ کا جو ترجمہ کیا ہے وہ مشتبہ ہو گیا۔ "سلیمان"

کی درگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور مدتوں وہیں اجمیر میں معتکف رہے۔
اور اس روحانی درسگاہ سے بے واسطہ کسب کمال کے بعد اکبرآباد گئے،
جہاں اپنے چچا حضرت عبداللہ اکبرآبادی سے طریقہ نقشبندیہ میں مرید ہوئے
مگر اجمیر شریف کے کیف و اثر نے فیض چشت سے بھی مالامال کر دیا تھا،

ابوالعلائی سلسلہ کے بانی آپ ہیں، یہ در اصل نقشبندی
اصول تعلیم کا مختصر نصاب ہے، جس کو حضرت سیدنا ابوالعلاء نے
اپنائے زمانہ کی پست ہمتی کو ملحوظ رکھکر مرتب فرمایا، عشق و توحید
اس اصول کی اصل اصیل ہیں، ۹ صفر ۱۰۶۱ھ ہجری میں وفات پائی
مزار پر انوار اکبرآباد میں ہے۔ آپ کے خلفاء میں شمس العلما میر سید دوست محمد
قدس سرہٗ مشہور و ممتاز ہوئے امیر ابوالعلاء کی یادگار ایک مختصر سا دیوان ہے
جس کا ایک نسخہ خانقاہ اسلام پور (پٹنہ) میں موجود ہے۔ +

شمس العلما میر سید دوست محمد | شمس العلما میر سید دوست محمد

برہان پور دکن کے رہنے والے تھے، سیدنا ابوالعلاء کی صحبت میں کامل ہوئے
اور اجازت کے بعد اپنے وطن جاکر تشنگان حق کو سیراب کیا۔ اورنگ آباد
جاکر اقامت کی، سنہ ۱۰۹۰ھ ہجری میں وفات پائی، یہ ہندی کے شاعر تھے،

اپنے پیر سے جدائی کے بعد یتیم کہانی ایک مثنوی لکھی جو صوفیہ میں مشہور ہے۔

**شاہ محمد فرہاد دہلوی رح** | یہی حضرت شاہ محمد فرہاد دہلوی، حضرت رکن الدین عشق انھیں حضرت شاہ محمد فرہاد دہلوی کے نواسہ تھے شاہ محمد فرہاد کے والد ماجد دکن کے صوبہ دار ہو کر اورنگ آباد گئے تھے اس تعلق سے شاہ فرہاد کا بھی اورنگ آباد جانا ہوا۔ اور اس زمانہ سے جب کہ انکی عمر بارہ تیرہ برس تھی آپ میر سید دوست محمد شمس العلماء کے حلقہ میں آنے جانے لگے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اُن سے مرید ہو گئے اور اپنے پیر کے حسب الحکم دہلی آکر اپنا چشمۂ فیض جاری کیا، محو و استغراق کا یہ عالم تھا کہ حق سے آشنا ہو کر خلق سے بیگانہ ہو گئے تھے اور ماسوا کی خبر نہ رہی تھی۔ ۱۱۲۵ھ میں دہلی میں وفات پائی۔

خلفاء میں حضرت برہان الدین خدا نما اور میر اسد اللہ دو بزرگ ہوئے،

**میر اسد اللہ رح** | سید اسد اللہ ارکان شاہی میں تھے۔ خوابگاہ خاص کا اہتمام آپ کے سپرد تھا، اسی خوابگاہ میں آپ کے باطن کی آنکھیں کھلیں۔ جب یہ راز فاش ہوا تو منصب شاہی سے کنارہ کش ہو کر حضرت شاہ فرہاد رح کے حلقہ میں آکر بیٹھ گئے۔ اور آخر وہاں سے

مرد کامل بنکر اُٹھے ۔ ۱۲۰۳ھ میں وفات پائی ۔

آپ کے خلفا میں حضرت مخدوم شاہ محمد منعم قدس سرہ العزیز نہایت ممتاز ہوئے ۔ اور جن کی نسبت سے ابوالعلائی سلسلہ کی ایک نئی شاخ منعمی پھوٹی ۔

**مخدوم شاہ محمد منعم** | آپ شیخپورہ ضلع مونگیر (بہار) کے ایک قریہ بچنا کے باشندہ تھے ۔ ظاہری اور باطنی دونوں تعلیمی سلسلے دار العلوم دہلی میں مکمل ہوئے ، ظاہری تعلیم کے بعد حضرت شاہ فرہاد رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں بیٹھے اور ان کی وفات کے بعد میر سید اسد اللہ کی صحبت میں مدارج سلوک کی تکمیل کی ۔ کہتے ہیں کہ جامع مسجد دہلی کے ملحقہ مدرسہ میں پچاس برس قیام پذیر رہے ، اور پھر پٹنہ عظیم آباد آکر تکیہ کی مسجد میں اپنا سجادہ بچھایا ۔ یہ ہی حضرت شاہ محمد منعم رح ہیں جنکے حلقہ ارادت میں حضرت شاہ رکن الدین عشق عظیم آباد آکر داخل ہوئے ۔ سلسلہ یہ تھا کہ حضرت شاہ محمد منعم حضرت عشق کے نانا شاہ فرہاد کے صحبت یافتہ یعنی انکی وراثت خاندانی کے امین تھے ۔ اس بنا پر حضرت مخدوم منعم پاک سے بڑھکر حضرت عشق کی رہنمائی کے لئے کوئی دوسرا حق دار نہ تھا ۔ اور

یہ ہی وہ مسجد تھی جس کو حضرت عشق کے لیے چھوڑ کر مخدوم منعم پاک ملا متین کی مسجد میں چلے گئے تھے،

حضرت مخدوم محمد منعم نے ۱۱۸۵ھ میں وفات پائی۔ خلفاء میں مخدوم شاہ حسن علی عظیم آبادی، حضرت مولانا حسن رضا متوطن رائپور ضلع پٹنہ، صوفی شاہ محمد دائم ڈھاکہ، حضرت شاہ رکن الدین عشق ۔

**شاہ رکن الدین عشق** اور ان کے ہم سلسلہ | حضرت عشق نے حضرت مخدوم منعم پاک سے ابو العلائی طریقہ کی تعلیم اور فیض حاصل کیا اور ایک عالم کو اس سے سیراب کیا، اور بقول تذکرہ نویسوں کے معتقدوں کے ہجوم اور مریدوں کی کثرت سے فقیری میں بادشاہی کی، آپکے ہم پیر مخدوم شاہ حسن علی جنھوں نے ۱۲۲۴ھ میں وفات پائی جن کا مزار عظیم آباد محلہ خواجہ کلاں گھاٹ میں ہے اُن سے بھی یہ فیض عام ہوا، ان کے خلیفہ اور جانشین مخدوم سید مظہر ولی عرف شاہ یحیی علی ہیں، جنکے بزرگوں کا وطن تار بیگہ (بہار سے چار کوس شمال کی طرف دیسنہ استھانواں کے پاس یہ یادگار سلف آبادی اب ویرانہ ہے۔) تھا، نانہال بہار محلہ چاند پورہ تھا اور مدفن صفی پور، خسرو پور (اسٹیشن کے پاس) دریا کے کنارے ہے۔

۱۲۶۴ھ میں وفات پائی۔

مخدوم شاہ یحییٰ کے خلفا شاہ اشرف علی واسطی زیدی (نوادہ) شاہ جمال علی بلخی (شیخپورہ) مولانا شاہ ولایت علی (اسلام پور)، مولانا امیر الحسن شاہ وری پاڑا رپٹنہ ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوگا اس سلسلۂ عالیہ کی زنجیر کس طرح اس صوبہ کے گاؤں گاؤں کو محیط ہیں۔

## شاہ رکن الدین عشق کا اردو کلیات اور اس کا خلاصہ

سطور بالا سے ہویدا ہے کہ حضرت عشق محض شاعر نہ تھے بلکہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں اور حضرت خواجہ میر درد کی طرح وہ ظاہر و باطن اور حال و قال کے جامع تھے۔ دوسرے سخنور بزرگوں کی طرح ان کی نسبت بھی کہنا چاہئے کہ شاعری دون مرتبۂ اوست۔

حضرت عشق کا اردو کلیات ۰۰۷ صفحوں کو محیط ہے۔ اس انتخاب میں مولف نے یہ کوشش کی ہے کہ اس طویل و عریض سمندر کو ساٹھ صفحوں کے کوزہ میں بند کرے، یہ کام جیسا مشکل ہے ظاہر ہے، اس ناقدردانی کے زمانہ میں سات سو صفحوں کی اشاعت کے لئے ایک بڑا سرمایہ چاہئے اور دنیا کا حال کم و بیش وہی ہے جو حضرت سعدی کے زمانہ میں تھا ؎

کریماں را بدست اندر درم نیست

خداوندانِ نعمت را کرم نیست

ایسی حالت میں سات سو صفحوں کا یہ ساٹھ (۶۰) صفحوں میں انتخاب شائع کرنا
قدیم اردو کے ذخیرہ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ شاید ان انتخابات کو پڑھکر
کوئی قدردان اور قدرشناس پورے کلیات کی اشاعت کی ہمت کر جائیں۔

اس انتخاب کے مقدمہ میں مولف نے شرح و بسط کے ساتھ حضرت عشق
کے کلام پر ہر حیثیت سے بحث کی ہے۔ اور جہاں تک مواد اور مضامین نے
اجازت دی ہے بحث کے ہر گوشہ کے احاطہ کی کوشش کی ہے۔ حضرت عشق کے
کلام کا عام انداز وہی ہے جو حضرت مظہر اور خواجہ درد کا ہے، کہیں کہیں زمین،
بحر، اور قافیہ کا بھی اتحاد ہے، خواجہ درد کی مشہور غزل ہے

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا ٭ پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا

پر عشق کی غزل ہے

چین ہی اس دل بیتاب کا منظور نہ تھا ٭ ورنہ آنا ترا مجھ پاس تو کچھ دور نہ تھا
کچھ نئی طرز ملاقات نکالی اب تو ٭ ورنہ آگے ترے ملنے کا یہ دستور نہ تھا
دیر و کعبہ میں سنا گوش سے دل کے ہم نے ٭ عشق کے ذکر سوا اور تو مذکور نہ تھا

صوفیانہ مضامین کی آمد وہی ہے جو درد میں ہے، مگر درد کا مختصر سا بیانِ غم یعنی اُن کا دو جزو کا مختصر دیوان، عشق کے ۵۰ جزو کی شرح الم یعنی اُن کے کلیات کے ساتھ سمندر اور قطرہ کی نسبت رکھتا ہے۔ ✣

**صوفیانہ کلام** حضرت عشق کے صوفیانہ کلام کا نمونہ اس انتخاب (یادگارِ عشق) اور میر حسن اور گلشن ہند سے ناظرین کے پیش کش ہے۔ ✣

دیدہ و دل جو کرتے وا دیکھا ۔۔۔ حرم و دیر میں خدا دیکھا
اُس کے دامن تلک پہونچے ہم ۔۔۔ خاک میں آپ کو ملا دیکھا
آشنا تجھسے ہو نہ ہو کوئی ۔۔۔ پر تجھے سب سے آشنا دیکھا

میری آنکھوں سے وہ جدا بھی نہیں ✣ گو وہ مجھپر نظر نہیں رکھتا
خانماں کر چکا ہوں میں برباد ✣ اس پہ وہ میرے گھر نہیں آتا

حرم میں نام سُنا دیر میں نشاں دیکھا ۔۔۔ سوائے تیرے نہ دیکھا غرض جہاں دیکھا
اُسی کا آئینہ ہر ذرہ ہزار عالم ہے ۔۔۔ دوانے کیا کہوں تجھسے کہاں کہاں دیکھا
نہ عزم وادیٔ ایمن نہ طور کا ہے قصد ۔۔۔ جو کچھ کہ دیکھنا تھا دل میں سب عیاں دیکھا

عرش تا فرش سیر کر دیکھا          تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
چشمِ تحقیق سے جہاں دیکھا          کافر ہوں تجھ سوا اگر دیکھا

کونین میں جو کچھ ہے سو اس میں سمایا ہے ✤ کب عرش سے چھوٹا ہے کاشانہ محبت کا
اُس کافرِ بیدیں کی کیا بات کہے کوئی ✤ کعبہ کو بنا ڈالا بتخانہ محبت کا

وہ دل جو بو علی کو بتاتا تھا درسِ عقل
شرحِ کتابِ عشق سے ناچار ہو گیا

آزادگی کا قیدی محتاج ہے نفس کا ✤ سو وام اُنکی خاطر ہے کشمکش نفس کا
کونین سے کب کام ہے دیوانے کو تیرے ✤ آرام نہوا اسکو تجھے دیکھے نہ جبتک

کہنے کو ادھر اُدھر گئے ہم          تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
مدت سے ہیں اپنی جستجو میں          ہیں آپ سے اسقدر گئے ہم
تب سمجھے کہ کیا ہے کفر و اسلام          ان دونوں سے جب گذر گئے ہم
تھا کعبہ و دیر سے کسے کام          مقصود تھا تو جدھر گئے ہم
جز عشق نہ سمجھے کفر و دیں کو          طرفین سے بے خبر گئے ہم

نہ بتخانہ کو جاتے ہیں نہ کعبہ میں بھٹکتے ہیں
جہاں تم پاؤں رکھتے ہو وہاں ہم سر ٹیکتے ہیں

ہستی چھپی عدم میں، ہوئی نیستی نمود

دھوکا نہ کھا کہ مخفی ہے دریا سحاب میں

یار، چاروں طرف نمایاں ہے ۔ عشق تو اب کدھر بھٹکتا ہے

ہستی ہے ایک عشق کی، پیدا ہو یا نہاں

ہم تم کا ذکر کیا ہے، وجود و عدم غلط

وابستہ تری ذات سے ہستی ہے جہاں کی

جب تو نہ ہوا خلق میں ویرانہ کہیں گے

کیونکر ملیں گے تجھ سے جب تک عدم نہ ہونگے

اسوقت تم ہی تم ہو جسوقت ہم نہ ہونگے

دل سا جگر جو رکھے سو اس سے دوبدو ہو

منہ دیکھو آئینے کا جب اسکے روبرو ہو

عالم میں اگر طرۂ محبوب نہ ہوتا

یہ سلسلۂ نظم جہاں خوب نہ ہوتا

**عاشقانہ کلام** | حضرت عشق کے عاشقانہ کلام کی اصلی خوبی، سادگی، لطافت، جوش بیان، اور روانی ہے، مصرعوں میں اتنی برجستگی ہوتی ہے کہ ہر شعر خوبی و فصاحت کی ایک صاف و مصفا سلسبیل ہے، نہ پیچیدگی ہے، نہ اشکال ہے، نہ ثقل ترکیب ہے، ساتھ ہی فصاحت و بلاغت کی یہ جوئے رواں، ابتذال، اور مضامین پامال کے خس و خاشاک سے پاک ہے۔

کچھ دلِ سنگ میں اثر نہ کیا + تجھکو اے آہ ہم نے دیکھ لیا

کیا پوچھتے ہو مجھسے کہ کیوں تو نے رو دیا
دل نے کیا تھا جمع سو آنکھوں نے کھو دیا

آگے میاں نصیب ہے سرسبز ہو نہ ہو
دل کی زمیں میں تخم محبت تو بو دیا

دل اور جان دینے میں تقصیر کچھ نہ کی
عشق اُس نے جو طلب کیا ناچار سو دیا

ایک دن بھی خیال دلداری + نہ کیا آہ تو نے پر نہ کیا
کون سی رات خونِ دل سے عشق + دامنِ آستیں کو تر نہ کیا

عشق یادش بخیر اے یارو ❖ آگے آتا تھا اب نہیں آتا

جستجو میں مری نہ حیراں ہو    مثل عنقا میں گھر نہیں رکھتا

کون ہوں میں کہاں ہوں کیسا ہوں    اتنی بھی میں خبر نہیں رکھتا

جو کیا سو خیال خام پڑا ❖ آہ دل تجھ کو کس سے کام پڑا

بیمار تیری چشم کا اچھا ابھی تو تھا

کچھ دیکھتے ہی دیکھتے آنکھیں لگ گیا

دیکھا نہ آفتاب کبھی تیرے رو برو

جب ہو گیا وہ سامنے سایہ سا ڈھل گیا

دل کو ناحق بھی جو دکھائے گا ❖ اُس کا بدلہ خدا سے پائے گا

جاتا ہے فلک کے پار نالہ    یہ تیر بھی کارگر نہ ہوگا

فریاد سنی نہ عشق کی رات    شاید کہ وہ اپنے گھر نہ ہوگا

دل کے ہاتھوں خراب پھرتا ہوں ❖ اس میں کچھ اختیار ہے میرا

جس سے ہوتی ہے آئینے کو جلا ❖ اے صبا وہ غبار ہے میرا

اُس نے رو رو کے اُس کو آرام کیا
واہ آنکھوں نے ایک کام کیا

بلا سے شاد یا ناشاد رکھنا ✤ بہر صورت ہمیں تو شاد رکھنا
بسا ہو دل میں آوہ خانہ ویراں ✤ خداوندا اُسے آباد رکھنا

شام سے صبح، صبح سے تا شام ✤ راہ پر بیٹھ انتظار کیا
جب آیا وہ رشکِ مہر و ماہ ✤ اور دل نے بھی بیقرار کیا

اپنی آنکھوں سے پوچھ اے خوش چشم ✤ مجھسے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا

حشر برپا کرینگے دیوانے ✤ ان کی زنجیر مت ہلائیے گا

دیا جو آخری دیدار تو نے ✤ جزاک اللہ فی الدارین خیرا

تم عبث اب ڈھونڈتے ہو آشیانِ عندلیب
مشت پر گلشن میں باقی ہے نشانِ عندلیب

ممکن نہیں جی بچے سحر تک ✤ باقی ہے ابھی تو دو پہر رات

دیکھ اُس گلعذار کی صورت ✤ آئینہ ہے بہار کی صورت

جاتے ہوئے دم کو کوئی روکے رہے کب تک ✤ آنا ہے تو آجا کہ نفس باقی ہے اب تک

اسی حسرت میں نکلیگا یہ دم تک ✤ نہ پہونچا سر مرا تیرے قدم تک

لکھوں کس طرح جو گذرے ہے دل پہ + وہ مضموں آ بھی سکتا ہے قلم تک

دل کو دیکھی تھی اُس پری کی جھلک + نہ لگی رات کو پلک سے پلک

ملتے ہیں نیک و بد پر آلودگی نہیں + مانند نور اُٹھتے ہیں ہر شے سے پاک ہم

زلف نے جس نہیں دکھائی شام + پھر اُسے دوسری نہ آئی شام

جان کو بیقرار پاتے ہیں + دل کو بے اختیار پاتے ہیں

چشم وحدت سے دیکھتے ہیں جو + ایک ہی کو ہزار پاتے ہیں

تجھے کیا کہیں کیا صنم جانتے ہیں + خدا جانتا ہے جو ہم جانتے ہیں

شکوہ نہ کچھ رقیب سے مجکو نہ یار سے + اپنے ہی دل کے ہاتھ سے آفت رسیدہ ہوں

ازبسکہ اشتیاق ہے دیدار کا مجھے + مانند آئینہ کے سراپا میں دیدہ ہوں

نام پر تیرے جی کو کھوتے ہیں + ایسے عاشق بھی اور ہوتے ہیں

ابتدا ہی سے یوں چلی آئی + ایک ہنستے ہیں ایک روتے ہیں

دل کا آئینہ سامنے رکھکر + یار کو بے حجاب کرتا ہوں

ایک ہی وہ نظر میں آتا ہے + سو طرح سے حساب کرتا ہوں

دل سے نکل گئے تھے در چشم تک یا اشک + پھر آ گئے جس سے پوچھا کہا کچھ خبر نہیں

تم دیکھتے عبث ہو مرے جیب و آستیں + وہ کونسی میں ہے جو آنسو سے تر نہیں

یہ حسن یہ ادا یہ نگاہیں، یہ گرمیاں + نام خدا کہاں ہیں کسی طرح وار ہیں

نایاب آنسوؤں کے ہیں موتی جہاں ہیں + وہ دُر نہیں ہیں یہ جو لیں ہر دکاں میں

نذر کو اور کچھ نہ تھا مجھ پاس + دل بے اختیار لایا ہوں

ایک دو باتیں جو ہوں کوئی سنے + دل کی خواہش دمبدم کس سے کہیں

دم بدم تجھ کو یاد کرتے ہیں + دلِ غمگیں کو شاد کرتے ہیں

ناشاد ہو گئے ہیں اُنھیں شاد کیجیو + یعنی کہ بعد مرگ ہمیں یاد کیجیو

وہ سوارِ سمند ہوتا ہے + پھر یہ فتنہ بلند ہوتا ہے

عشق کا شعر اُسکو خوش آئے + جو کوئی دردمند ہوتا ہے

کس کی بستی ہے کون بستا ہے + کربلا جس کے گھر کا رستا ہے

لخت دل سوئے دیدہ آتا ہے

ٹوکو مت! نورِ دیدہ آتا ہے

دل دھڑکتا ہے آج کچھ بے طور

کوئی خنجر کشیدہ آتا ہے۔

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سیئے ہے

یہ عاشقِ جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

بولئے تو زبان جل جائے + چپکے رہئے تو جان جل جائے

تصور سے ترے دل شاد رکھے

خدا اس گھر کے تئیں آباد رکھے

**کلیات کا زیرِ نظر نسخہ** | معلوم ہوتا ہے کہ کلیات کا یہ زیرِ نظر نسخہ بار بار کا اصلاح یافتہ ہے، یہی سبب ہے کہ حضرت عشق کے کلام کا جو انتخاب، میر حسن اور گلشنِ ہند میں ہے، اُن میں اور کلیات کے نسخے میں تھوڑا اختلاف پایا جاتا ہے، مثلاً پہلا ہی شعر میر حسن کے تذکرہ میں ہے۔ + ؎

آہِ جانسوز کو بسم اللہ دیوان کیا

عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

کلیات میں یہ شعر یوں ہے + ؎

آہِ جانسوز کو سر دفترِ دیوان کیا

عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

کہیں کلیات کا نسخہ یا اُسکی یہ نقل غلط معلوم ہوتی ہے، اس انتخاب

(صفحہ ۱۲۷) ایک شعر ہے ؎

تا جان نہو عدول حکمی ٭ تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

گلشنِ ہند میں یہ شعر اس طرح ہے ؎

تا جاں نہوئی عدول حکمی ٭ تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

یہی صحیح ہے، جان جانے کا صیغہ امر نہیں ہے، بلکہ جان فارسی لفظ بمعنے روح اور زندگی ہے، یعنی جان تک کے معاملہ میں تیرے حکم سے سرتابی نہ کی، تو نے مرنے کا حکم دیا تو ہم مر گئے۔

| | | |
|---|---|---|
| کتبخانۂ الاصلاح | } | سید سلیمان ندوی |
| دیسنہ، پٹنہ | | ۱۲- اپریل سنہ ۱۹۲۹ء |
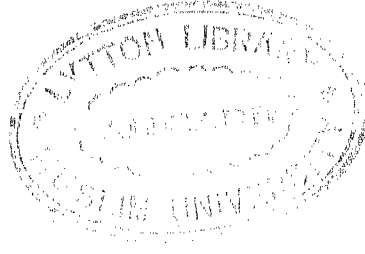
# باب اول

LYTTON LIBRARY
MUSLIM UNIV

# حالات زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صاحب نظراں عشق مرا نام ہے مشہور
گو آنکھوں سے پوشیدہ ہوں پر دل پہ عیاں ہوں

آپ کا اسم گرامی (حضرت) رکن الدین ہے۔ عرف میرزا شاہ گھسیٹا۔ عشق تخلص فرماتے تھے۔ مولد و منشاء دہلی ہے۔ جو وطن مالوف بھی تھا۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ محمد اکرم فاروقی تھے۔ اسی لئے سلسلۂ نسب حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ حضرت شاہ محمد فرہاد صاحب دہلوی ابوالعلائی کے نواسے تھے۔ جنہیں مولانا برہان الدین جیسے باکمال بزرگ کے پیر و مرشد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ +

صاحب تذکرۃ الکرام و تذکرۃ الصالحین کے بیان کے مطابق آپکی ولادت ننھیال میں ہوئی۔ سنہ ولادت کے لئے بہتیرے تذکروں۔ تاریخوں اور

بیاضوں کی ورق گردانی کی گئی مگر کہیں مذکور نہیں ہے۔ اس کا سبب مدت عمر کا
اختلاف ہے۔ جس کا مفصل بیان ذکر وفات کے ساتھ مناسب معلوم ہوا۔
راقم (ناچیز) نے جس رائے کو تاریخی استناد سے قابل ترجیح سمجھا ہے اس سے
سنہ ولادت ۱۱۳۱ھ ہجری متعین ہوتا ہے۔ زمانہ طفولیت کا بیشتر حصہ دہلی میں
گزرا۔ کہتے ہیں کہ عنفوان شباب میں آپ نے گھر چھوڑ دیا اور ایک بزرگ کے
پاس حاضر ہوئے۔ جہاں طریقہ زاہدیہ میں تعلیم ہوئی۔ اسکے بعد جب آپ دہلی
میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اسوقت دہلی مولانا کے تجلیات کمال سے
پر نور تھی۔ مولانا کے یہاں مجلس سماع تھی۔ آپ بھی ایک گوشہ میں کھڑے
ہو گئے۔ مولانا کو وجد تھا اور اسی وجد میں ساری مجلس کا دورہ ہو جایا
کرتا تھا۔ آپ نے حضرت عشق کو دیکھکر فرمایا صاحبزادے جو چیز گھر
میں موجود تھی اس کی تلاش میں گھر کیوں چھوڑا۔ یہ کہکر حضرت عشق کے سینہ پر
ایک ہاتھ رکھدیا جس سے تمام حاصل کئے ہوئے کمال پر حجاب چھا گیا۔ جب
یہ کیفیت محسوس ہوئی۔ آپ نے اظہار افسوس کیا۔ مولانا کی دوسری توجہ سے
حجاب اُٹھ گیا۔ پھر طریقۂ عالیہ ابوالعلائیہ میں بیعت و تعلیم بھی ہو گئی۔
اور آپ نے ایسا کمال حاصل کیا کہ مولانا کے جانشین ہوئے۔ لیکن اظہار
کمال منظور نہ تھا۔ جو اکثر ارباب باطن کا شیوہ ہے۔ مرشد آباد پہونچے
اور خواجہ محمدی خاں کی ملازمت کر لی۔ ہزار سوار کی افسری کا منصب ملا۔

مگر ان کے رہتے ہی خواجہ صاحب کی مجلس میں رونق نہ رہی۔ جہاں یہ آکے بیٹھے کہ مجلس میں سناٹا ہوجاتا۔ باجوں سے سُر اور گویوں سے آواز غایب ہوجاتی۔ ہر شخص اتنا گھبرا اُٹھتا کہ یہ مصرع اسکی زبان پر بیساختہ آجاتا ؎

گریباں چاک کرکے راہ لو صحراے وحشت کی۔

جب یہ حالت کئی دنوں تک مسلسل رہی تو خواجہ صاحب کی حیرانی حد سے بڑھی۔ انھوں نے خواجہ محمد وجیہ کو انکشاف راز کے لئے متعین کیا۔ خواجہ صاحب نے جو حضرت فرہاد رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں ممتاز اور صاحب کمال تھے۔ حضرت عشق کے آتے ہی مجلس کا رنگ دگرگوں ملاحظہ کیا اور خواجہ صاحب سے بھی فرمادیا۔ خواجہ صاحب حضرت عشق کے قدموں پر گر پڑے اور اپنی مسند پر بٹھا کر عرض کیا کہ آج سے آپ آقا ہیں اور میں خادم۔

اس واقعہ کو آپ نے مولانا سے حسرت وافسوس کے ساتھ دہرایا۔ اور افشائے راز پر اظہار ماتم کیا۔ انھوں نے فرمایا اب خدا کو آپ کا لباس ظاہر پسند نہیں عظیم آباد جائیے اور طالبانِ حق کی رہنمائی کیجئے وہاں بھائی مخدوم منعم پاکؒ موجود ہیں۔ اگر کوئی ضرورت پیش آئے اُن سے رفع کر لینا۔ اس صلاح کو آپ نے بھی منظور کیا۔ عظیم آباد چلے اس سفر میں خواجہ محمد وجیہ صاحب کے دو صاحبزادے خواجہ آفتاب احمد

اور خواجہ ماہتاب احمد صاحب۔ بعض تلامذہ، معتقدین۔ کچھ ملازم اور قوال بھی ساتھ تھے۔ +

کیفیت العارفین میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ ۱۱۶۲ھ کا ہے (یہی شیخ غلام علی راسخ کا سنہ ولادت ہے) عظیم آباد پہونچتے ہی آپ مخدوم منعم پاک سے اس مسجد میں ملے جو موجودہ خانقاہ تکیہ کے سامنے سڑک کے متصل اور دکھن واقع ہے۔ اب عالم کس مپرسی میں ہے۔ مخدوم پاک آپ سے ملکر بہت خوش ہوئے۔ آپ کو اپنی جگہ اسی مسجد میں بٹھایا اور خود مُلا میتن کی مسجد تشریف لے گئے۔ جو اس مسجد سے پچھم چند قدم فاصلے پر واقع ہے ملا صاحب مذکور کے نام سے اس شہر کا میتن گھاٹ بھی اتنا مشہور رہا کہ اس محلہ کا نام بھی میتن گھاٹ ہو گیا ہے ان واقعات ملازمت۔ لباس ظاہر درود عظیم آباد کو جس کی تفصیل دل آویزی سے کچھ خالی نہیں۔ مورخین اور تذکرہ نویسوں نے بھی کچھ اختلاف کے ساتھ لکھا ہے۔ +

نواب نصیر الملک علی ابراہیم خاں خلیل عظیم آبادی نے اپنے مشہور تذکرہ گلزار ابراہیم میں ان واقعات کی طرف مجملاً یوں اشارہ کیا ہے۔ اس ادیب کامل اور مورخ مستند نے مرشد آباد و عظیم آباد میں حضرت عشق کی صحبت بھی اٹھائی ہے۔ اس لئے انکی رائے کو اولیت ہے۔ +

(ا) بہ عالم طفولیت از دہلی بہ مرشد آباد افتاد در لباس دنیا با خواجہ

محمدی خان روزگارے احترام داشت بعد ازاں بہ طریقۂ آبائے کرام خود لباسِ **فقر** بر کردہ رحلِ اقامت در عظیم آباد انداخت و تا حال سنہ یکہزار یکصد و پنج ہجری است کہ آں صاحب حال و مرجع کمال در ارشاد طالبانِ حق اشتغال دارد۔ +

میر حسن (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے مشہور تذکرۂ شعرائے اُردو میں یوں لکھا ہے۔

(۲) اصلش از شاہجہاں آباد است پیشتر نوکری پیشہ بود۔ والحال از مدتے ترکِ روزگار نمودہ بعظیم آباد مقیم است۔ +

مرزا علی لطف گلشنِ ہند میں رقم طراز ہیں۔ یہ بیان تذکرہ شعرا ہندی میں بھی درج ہے۔ +

(۳) حضرت **عشق** مذکور ایام شباب میں شاہجہاں آباد سے مرشد آباد آئے اور خواجہ محمدی خان مرحوم کے ساتھ ایک مدت تک ایام حیات بعزت تمام بسر لائے۔ اگرچہ نہ کچھ خدمت نہ کام رکھتے تھے لیکن آنکھوں میں امرایان مرشد آباد کے نہایت احترام رکھتے تھے بعد ایک عرصہ کے مزاج فقر و درویشی کی طرف آیا۔ +

مولانا شاہ محمد کبیر صاحب ابو العلائی داناپوری اپنی مشہور تاریخ تذکرۃ الکرام۔ تاریخ خلفائے عرب و الاسلام میں لکھتے ہیں۔ +

(۴) آپ ابتدا میں نوکری پیشہ بوضع سپاہیوں کے تھے۔ اس نوکری کے ذریعہ سے عظیم آباد پہونچے۔ اور جب مخدوم عالم مخدوم منعم پاکؒ کی فیض بخشی کا حال سُنا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ٭

اِن تحریروں سے بھی واقعات مذکورہ بالا پر روشنی پڑتی ہے۔ البتہ خواجہ جیکا کی مجلس کا ان کے آتے ہی بے رونق ہو جانا اور خواجہ وجیہ صاحب کا اس راز کو ظاہر کر دینا ثابت نہیں ہوتا۔ اگرچہ مرزا علی لطف کے آخری جملہ کی صوفیانہ حیثیت سے یہ بھی توجیہ کی جا سکتی ہے۔ لیکن چونکہ یہ واقعات اس بیاض خاص میں موجود ہیں جو حضرت عشقؔ رحمۃ اللہ علیہ کے قابل قدر جانشینوں نے لکھی ہے اور موجودہ صاحب سجادہ دام فیضہ کے پاس موجود ہے۔ اسلئے راقم ناچیز نے سلسلۂ واقعات میں اس کا ذکر بھی مناسب سمجھا۔ ٭

## قیام عظیم آباد و بنائے خانقاہ

مخدوم منعم پاکؒ کی فرمائش سے آپنے مسجد مذکور میں قیام کیا۔ طالبانِ حق پروانہ وار اس شمع ہدایت کے گرد تھے۔ ریاضت و مجاہدہ کے بعد قلب میں سوز و گداز۔ برشتگی و وارفتگی پیدا کرنے کو کبھی کبھی مجلس سماع بھی قائم ہو جاتی تھی۔ مسجد سے اُتر جہاں اب خانقاہ ہے کسی نواب کا مکان تھا۔ اسکی محفل نشاط میں ہو حق کی صدا نے خلل اندازی کی۔ شاہ صاحب

کہلا بھیجا کہ میاں صاحب یہاں سے راستہ لو۔ ہمارا عیش مکدر ہوتا ہے۔ صفحاتِ تاریخ شاہد ہیں کہ فقرائے کاملین اور اکابر صوفیہ اپنی بے لوثی اور سیر چشمی کے آگے کسی کی شانِ امارت یا ثروتِ ظاہری کی بھولے بھی پرواہ نہیں کی ہے۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا۔ جس طرح نواب صاحب کو ہم سے یہ کہنا دشوار نہ تھا۔ اسی طرح خدائے برحق کو یہاں سے **نواب صاحب** کا بھی ہٹا دینا کچھ مشکل نہیں۔ فقیروں کی بددعا کہئے یا حسنِ اتفاق۔ دوسرے ہی دن سویرے شاہی پروانہ آیا جس کی تعمیل میں نواب صاحب کا مکان نیلام پر چڑھ گیا۔ اور نواب احمد علی خاں نے خریدا۔ جو نواب سرفراز حسین خاں کے پردادا اور یہاں کے صوبہ دار تھے۔ یہ واقعہ زبان زد عام ہو چکا تھا اور نواب صاحب کچھ پہلے ہی سے معتقد تھے۔ شام کو بارگاہِ عشق میں اپنے یاروں اور ملازموں کے ساتھ حاضر ہوئے۔ بیعت کی اور وہی مکان نذر میں دیدیا۔ اور موضع بیلا بھی جو فرمان شاہی کے گم ہوجانے سے اب بیدخل ہے۔ حضرت **عشق** رحمۃ اللہ علیہ اس مکان میں اُٹھ آئے اور ایک خانقاہ لبِ دریا بنانے کا خیال ظاہر کیا۔ لوگوں نے عرض کیا حضور روپے نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ مالک ہے۔ چند اینٹیں جمع کیں۔ خود سے گلاوہ کیا اور اپنے ہاتھوں سے بنیاد ڈالی۔ دوسرے دن کوئی راجہ آیا۔ آپ کی دعا نے اُس کا کام کر دیا اور اُسکے انتظام نے آپکی خانقاہ تعمیر کرا دی۔ مگر نقش کشی ہاتھ سے

نہ دی۔ خود مزدوروں کے ساتھ کام کرتے تھے۔ اور کسی چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی عار نہ تھا۔ خانقاہ طیار بھی ہوئی۔ اور سیلاب استداد زمانہ سے فنا بھی ہو چکی مگر اُس کا ایک شہتیر یادگار ہے جو موجودہ خانقاہ کے گوشہ مغربی میں لگا ہے اور اب تک بہت اچھی حالت میں ہے۔

## تعلیم ظاہر اور مخدوم پاک کے ارشاد

اتنے مدارج طے کرنے کے بعد علوم ظاہر کی تحصیل کے لئے کسی کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کو عار نہ سمجھنا آپ کی للّٰہیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ آپ نے نہایت ذوق اور شوق کے ساتھ حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب شہر گیاوی سے اشتغال شریعت کو بھی شروع کر دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں فراغت حاصل کر لی۔ مولانا عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ تعلیم کے وقت میں صرف ترجمہ یا نفس مطلب کی طرف رہبری کرتا تھا۔ اور حضرت مجھے حقائق و معارف سے آگاہ فرماتے تھے۔ دراصل میں شاگرد تھا اور وہی استاد تھے۔ اسی لیئے مولانا آپ کے بڑے معتقدوں اور خلفاء میں ہیں۔ آپ نے مخدوم منعم پاک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اکتساب فیض کیا ہے۔ طریقہ فردوسیہ میں آپ ہی سے اجازت اور خلافت ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مخدوم منعم پاکؒ کی پاکیزہ صحبتوں نے حضرت عشق کو بزرگ سے بزرگ تر بنا دیا تھا۔

# ایک دوسرا بیان

تذکرۃ الکرام میں لکھا ہے کہ آپ نے قیام عظیم آباد کے بعد مولانا برہان الدین سے دہلی میں بیعت کی۔ تذکرۃ الصالحین میں ہے کہ آپ کی بیعت خالص پور (متصل لکھنؤ) میں ہوئی اس کی تائید جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب دام ظلہ العالی (سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ گیا) کے اس مضمون سے ہوتی ہے جو معارف پھلواری شریف ملا جسلد میں شائع ہوا تھا۔ لیکن خانقاہ تکیہ شریف (پٹنہ) کی بیاضوں میں جہاں جہاں آپ کا ذکر خیر ہے اُس سے اس کا پتہ نہیں چلتا بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیعت و تعلیم کے ایک زمانہ کے بعد آپ عظیم آباد میں تشریف فرما ہوئے۔ جیسا کہ پیدایش و تعلیم کے عنوان میں مفصل گزارش کر چکا ہوں۔

# خصوصیات درویشی

درویشی میں جو سب سے بڑی خصوصیت کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے سب سے پہلے صوبہ بہار میں (تعلیم روحانی کے لیئے) خانقاہ ابوالعلائیہ قائم کی۔ اور آپ ہی سے اس سلسلہ کا فیض عام ہوا۔ دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ کے بعد آپ کے خلفا بھی اہل کمال اور صاحب فیض ہوئے۔ جن کا ذکر سطور آئندہ میں آئیگا۔ تاریخ اور تذکروں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو

چار بزرگ ترین کاملوں سے بلا واسطہ فیضانِ روحی حاصل ہوتا تھا۔ اُن بزرگوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت سیدنا امیر المومنین عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ
(۲) حضرت سیدنا امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
(۳) حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ
(۴) حضرت مخدوم الملک شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

ان خصوصیات کے علاوہ آپ کے کشف و کرامات کی روایتیں بھی بیشمار ہیں۔ جس کو ذوق و شوق ہو **خانقاہ تکیہ شریف** (پٹنہ) کے کتب خانہ کی سیر کرے۔ میرے نزدیک کسی صوفی کے لئے معیار کمال صرف اظہار کرامات نہیں۔ یہ منکرین کی طلب ہو اور اُن کے لئے انبیائے کرام کے معجزات بھی کافی نہیں۔ طالبان حق زہد و ورع و خلوص و للّٰہیت، اتباع شریعت اور بے غرضی و بے لوثی کے ساتھ خدمت خلق کو ڈھونڈھتے ہیں۔ اگر کسی کو **یہ نعمتیں** نہیں ملیں اور اُس سے ہزار ہا خرق عادات امور کا **اظہار** ہو تو اُس کی دُرویشیت مسلم نہیں۔ سید الطائفہ **حضرت جنید** بغدادی اور پیران پیر **حضرت عبدالقادر** جیلانی رح کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اور اُن کے نگار خانۂ کمال کی سیر کیجئے۔ اس آئینہ میں بھی آپ کو اسی صفائی اور سادگی کے سوا کوئی ایسا خط و خال نظر نہ آئیگا جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اُسوۂ حسنہ

کے اتباع سے زیادہ پائدار اور قابل قبول ہو لیکن اگر کسی میں دو نو یا تین پائی جائیں تو اس کا کیا کہنا۔ خدا کے ایسے بندے بھی ان گنت ہو گذرے ہیں وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ میں نے حضرت عشق رح کی بہتیری کرامتیں سنیں اور کتابوں میں دیکھی ہیں لیکن اس خیال سے کہ کسی کیف خاص کو منظر عام پر لانا گویا رازِ خلوت کو انجمن میں بیان کرنا ہے اس مضمون میں جگہ نہ دسکا۔

# درس مثنوی

مولانا جلال الدین کی مثنوی معنوی کا درس بھی من جملہ فیضان عشق ہے۔ تکیہ شریف پر جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس کی ابتدا بھی حضرت عشق ہی کے وقت ہوئی تھی۔ اُن کا بیان تو محتاج تعریف ہو ہی نہیں سکتا۔ اور میں نے سنا بھی نہیں کہ پوری خصوصیات عرض کر سکوں۔ البتہ موجودہ صاحب سجادہ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ سید شاہ امجد حسین رحمۃ اللہ علیہ عرف شاہ امیر الحق قدس سرہ کے درس مثنوی میں اکثر حاضری کا شرف رکھتا ہوں۔ اپنی شگفتگی اور گرویدگی کا اظہار ممکن نہیں۔ بعض علمائے ممتاز جو اپنی قابلیت اور تبحر علمی کے آگے کسی کی حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ انھوں نے بھی صرف ایک جلسہ میں شریک ہو کر کیا اچھی تعریف کی ہے کہ مثنوی شریف کا اس سے بہتر بیان نہیں ہو سکتا۔ + وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ٥

آپ کی ذات ستودہ صفات اخلاق حسنہ کا گنجینہ تھی۔ سادگی
انکسار آپ کا شیوہ خاص تھا۔ کسی سے ملنے ملانے میں خلوص و مودت
کی کمی نہیں فرماتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی شان میرزائی کی جھلک بھی آجاتی تھی
انکسار اور سادگی کا یہ حال کہ مزدوروں کے ساتھ کام کرنے میں بھی دریغ
نہیں۔ اور نزاکتِ مزاج کا یہ عالم کہ کسی کی شانِ ریاست ذرا بھی نہیں بھاتی
تھی۔ جیساکہ بیان ماسبق سے ظاہر ہے۔ خلق اللہ سے ہمدردی اور مروت
آپ کی زندگی کا مقصد خاص تھا۔ بہتیرے خواجہ زادگان اور عمائدین
آپ کی خدمت کو سرمایہ ناز سمجھتے تھے، اور عطیہ ایزدی سے خوش حالی
و فارغ البالی سے شان ریاست نمایاں تھی مگر دل ہمیشہ سامان سے
فارغ اور سامان دینے والے سے مائل رہتا تھا۔

حلقۂ ارشاد و ہدایت نہایت وسیع تھا۔ بڑے بڑے اہل نظر کا
مجمع ہر وقت پیش نظر رہتا تھا۔ منکرین و مخالفین بھی فیضان کمال سے
دم بخود رہ جاتے۔ مریدوں اور خلفاء کی تعداد بھی بیشمار تھی۔

گروہ کا گروہ حلقۂ ارادت میں داخل ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ تین آدمی حاضر ہوئے ان کے آنے سے کچھ پہلے آپ نے اسکی خبر دی اور فرمایا ان میں سے ایک کامیاب ہوگا۔ اور دوسرا محروم۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اور تیسرے بزرگ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ میں خود ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تیسرے بزرگ حضرت خواجہ شاہ ابوالبرکات رح تھے جو آپ کے جانشیں ہوئے۔ اور خواجہ صاحب موصوف ہی نے حضرت عشق کی وصیت کے مطابق آپ کے صاحبزادے کی تعلیم فرمائی۔

نواب احمد علی خاں مرحوم۔ میرزا فدوی وقائع نویس احمد شاہ بادشاہ دہلی۔ خواجہ محترم علی خاں محترم۔ علی اعظم خاں عاشق خلف خواجہ مہدی خاں رسالہ دار۔ نواب قاسم علی خاں ناظم بنگالہ۔ شیخ غلام علی راسخ۔ اور نواب سعد اللہ خاں عاشق والد شیخ عبد اللہ خاں ناظم غازی پور آپ کے مشہور مریدوں اور معتقدوں میں تھے +

## حضرت عشق رح کے ممتاز اور باکمال خلفائے مشاہیر

خواجہ سید شاہ ابوالبرکات رح ۔ مولانا عبدالرحمٰن شہر گھاٹی ۔ پیر سید دانش علی رح
حضرت شاہ علی محمد رح ۔ حضرت شاہ محمد نصرت ابن بنارسی رح ۔ حضرت شاہ علی احمد بہاری
حضرت شاہ محمد وصل مجذوب ۔ حضرت پیر محمد مجذوب ۔ میر محمد عسکری رح
خواجہ حیدر جان رح ۔

آٹھویں جمادی الاول روز چہارشنبہ ۱۱۹۵ھ کو حضرت عشق رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ وصیت کے مطابق مزار شریف اس حجرہ میں ہے جو آخر عمر میں **ریاضت و مجاہدہ** اور **تعلقات باطنیہ** کے لئے مخصوص تھا۔ مدت عمر کے تعین میں اختلافات روایات سے دشواری ہوئی جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ صاحب سجادہ خانقاہ تکیہ حضرت عشق کے ارشاد کے مطابق عمر شریف ایک سو سال ہے۔

تذکرۃ الصالحین اور معارف پھلواری شریف میں چھیاسٹھ (۶۶) برس لکھا گیا ہے نواب علی ابراہیم خاں صوبہ دار عظیم آباد سنہ وفات ۱۱۹۵ھ لکھتے ہیں۔[۱] لیکن ایک قدیم بیاض جسے **قاضی اسمٰعیل** صاحب قدیمی[۲] مرحوم عظیم آبادی نے

---

[۱] اس کو میرزا لطف علی نے بھی نقل کیا ہے۔ مگر تلاش و جستجو کے باوجود میری نظر سے نہ گذرا۔

[۲] حضرت قدیمی کا سنہ ولادت ۱۲۳۳ھ ہے اور سنہ وفات ۱۲۸۲ھ۔ آپ ملا غلام یحییٰ بہاری کی اولاد میں ہیں۔ اورنگ آباد میں ایک زمانہ تک عہدۂ قضا پر فائز رہے۔

شمس العلما حضرت مولانا محمد سعید صاحب حسرتؔ سے کچھ دنوں

جمع فرمایا تھا جو مشاہیر عظیم آباد میں اپنے علمی و ادبی مذاق کے لحاظ سے ایک حیثیت امتیاز رکھتے تھے۔ یہ بیاض تاریخی حیثیت سے محفوظ و مستند ہے۔ اس سے عمر شریف سو سال متعین ہوتی ہے اور راقم ناچیز کے خیال میں بھی یہی قابل ترجیح ہے۔ ✣

صوبۂ بہار کے مشہور و مستند ادیب و صوفی باکمال جناب سید شاہ محمد یحییٰ صاحب (سجادہ نشیں خانقاہ شاہ کی املی عظیم آباد) نے کیا اچھی تاریخ وفات لکھی ہے۔

امام زماں رکنِ دینم کز و بود ✣ بباغ جہاں آب و تاب طریقت
گذشت از جہاں و بتاریخ نوتش ✣ رقم ساختم۔ آفتاب طریقت ۱۳۰۲ھ

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) شرف تعلیم حاصل فرمایا۔ اسی لئے حضرت شاہ محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا یارانہ تھا۔ کہ وہ بھی شمس العلما رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد عزیز تھے اور خود حضرت قدیمی کو شاہ صاحب موصوف کی طرح سلسلہ عشق سے بڑی وابستگی تھی۔ اسی لئے آپ نے ایک رسالہ بھی تالیف فرمایا ہے جس کا نام اخبار الاولیا ہے۔ اس کی تقریظ بھی شاہ صاحب موصوف نے تحریر فرمائی ہے۔ متعدد تصنیفات آپ کی یادگار ہیں۔ جن میں اردو فارسی کے کلام کا ایک مجموعہ بھی ہے۔ کلام عارفانہ اور صوفیانہ ہے۔ ۱۲ ✣ ✣

میرزا فدوی نے بھی اس خوبی سے مادۂ تاریخ نکالا ہو کہ پورا نام آگیا ہو

شور و واویلا فتاد اندر جہاں ✤ چوں اجل آمد سر بالینِ عشق

گفت فدوی سال تاریخِ وفات ✤ ہادی ما شاہ رکن الدین عشق

۱۲۰۳ھ

وصال کے بعد حضرت خواجہ سید شاہ ابو البرکات رحمۃ اللہ علیہ جانشیں ہوئے مگر کچھ دنوں بعد آگرہ چلے گئے۔ پھر حضرت عشق کی وصیت کے مطابق آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ محمد حسین رح نے جنکا سن شریف حضرت عشق کے وصال کے وقت صرف تین سال کا تھا۔ سن شعور میں خواجہ صاحب موصوف کو آگرہ سے بلوایا۔ خواجہ صاحب کی توجہ خاص سے آپ نے بہت جلد منازلِ سلوک طے کئے اور خدمت خلق میں مشغول ہوگئے۔ پھر خواجہ صاحب نے آپ کو صاحب اثر شرفا و عمائدین شہر کے مجمع میں مسند عشق پر بٹھایا۔ ✤

غرض حضرت عشق کے بعد سے ابتک تکیہ عشق کی یہ مقبولیت رہی کہ عہد ماضی میں مسماۃ بیجا بائی اور مہاراجہ دولت راؤ مہاراج بنارس نے بھی فیض اُٹھایا۔ اور اب بھی نواب ڈھاکہ بالقابہ اور بہتیرے شرفا اور عمائد اس آستانے کی خدمت کا شرف رکھتے ہیں۔ ✤

بہ زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود ✤ سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

ظ

# باب دوم

خصوصیات

# شاعری

کِھل گئی ہین چمن حسن سخن کی کلیاں
روضۂ عشق پہ دو پھول چڑھانے کیلئے

شاہ رکن الدین عشقؔ کے حالات زندگی اور کمالات درویشی کیساتھ مذاق
شاعری اور انکی یادگاروں کا ذکر نہ ہوا۔ مروجہ ترتیب بیان اور سلسلۂ کلام
اسی کا متقاضی تھا۔ مگر خصوصیات شاعری کیساتھ مذاق سخن سرائی کی مناسبت
بھی محتاج بیان نہیں اس لئے راقم ناچیز نے اس ربط خاص کو اُس تعلق عام پر
ترجیح دی اور اس طرح گویا گلہائے مضامین کی ترتیب کو ایک گلدستۂ زیبا
حاصل کرلیا امید ہے کہ جدت پسند طبیعتوں کیلئے لطف مزید کا سبب ہوگا
حضرت عشق کا مذاق سخن فطرتی تھا۔ مستند تاریخی بیانات کے علاوہ
دیوان فارسی اردو کا کلیات اور دیوان خرد۔ اصناف سخن کی فراوانی
پھر اُن مین اصول فن کے حُسن لحاظ سے دامن شوق و مذاق کی وسعت کا اندازہ
کیجئے سرکار مرشدآباد کا رسوخ۔ وہاں کے اعیان و اشراف مین اقتدار
بزرگان پھلواری شریف کی پاکیزہ صحبتیں اور ان سے روابط خاص عظیم آباد مین

محفل احباب، تلامذہ کی بے مثال رونق اور حلقہ رشد و ہدایت کی مرکزیت میرے اس دعوے کی زبردست دلیلیں ہیں۔ ان کے علاوہ تمام مستند تذکروں سے ثابت ہے کہ قدما کے عہد مبارک میں مذاق شعر و سخن کو مشاغل سلوک و تصوف سے عشق تھا۔ اس لئے بھی یہ کیسے ممکن ہے کہ عشق جیسے رہ نمائے سلوک کو سخن نوازی سے عشق نہ ہو۔

خزانۂ قدرت نے یہ دولت صرف حضرت عشق ہی کو عطا نہیں کی تھی بلکہ ساری دنیا کا اندازہ صحیح شاہد حال ہو۔ صرف ہندوستان میں اتنے صوفی شعرا ہو گزرے ہیں جن کے شمار کو ایک دفتر طویل چاہئے اس کے علاوہ ہمارے بحث سخن کو اس سے کچھ زیادہ مناسبت بھی نہیں بس اتنا ہی کافی ہے کہ پنجاب سے بنگال تک شاید ہی کوئی ایسا صوفی کامل گزرا ہو جس نے لذت شاعری نہ اٹھایا۔ ثبوت میں خواجہ معین الدین اجمیری اور مخدوم الملک بہاری کے نام نامی اس خصوص میں کافی توانی میں شیخ غلام ہمدانی مصحفی نے شاہ ملول کے تذکرہ میں اسی تسلسل و تلازم کی طرف کیا لطیف اشارہ کیا ہے۔

والحق کہ شاعری و درویشی دوش بدوش می رود

اس سے پہلے کہ آپ کی سخن سرائی پر کوئی تفصیلی نظر ڈالی جائے۔ میں چاہتا ہوں
خود حضرت عشق کی زبانی آپ کو ان کی شاعری کا بیان سناؤں۔ ظاہر ہے کہ
شعرا کی عام **تعلّیاں** ناگوار اور سمع خراشی کا باعث ہوتی ہیں۔ مگر یہ عجیب
بات ہے کہ اکثر اساتذہ سلف نے اپنے پایۂ کمال اور مقبولیت کلام کا خود اپنے
الفاظ میں اس خوبی سے ذکر کردیا ہے کہ وہ بجائے خود ایک دلچسپ شعر ہو جاتا ہے۔

**فرماتے ہیں**

آہ جاں سوز کو سر دفتر دیوان کیا — عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

صاحب نظران عشق مرا نام ہے مشہور — گو آنکھوں سے پوشیدہ ہوں پردے میں چھپا ہوں

تاثیر نہ ہو قول میں کس طرح سے میرے — تم جس کو اثر کہتے ہو ہیں اس کا بیاں ہم

کہ غزل در غزل تو اب آئے عشق — گفتگو پر تری فدا ہیں ہم

عشق کا شعر اُس کو خوش آیا — جو کوئی دردمند ہوتا ہے

کہتا ہو وہ باتیں جو اُتر آتی ہیں دل میں — جز عشق کسی کو بھی یہ الہام نہ آیا

چرچا غزل کا تھا کل شاعروں کی انجمن میں — جو شعر عشق دیکھا سو انتخاب دیکھا

ہوں سوختہ دل فکر کوئی تازہ نہیں ہے
اک مصرع ہے جو عبث مری آہ حزیں ہے

# کمالِ سخن دانی

حضرت عشق کی سخن نوازی کا پایہ کمال بھی بہت بلند ہے۔ ارباب وطن اگران کی سچی قدر دانی سے اعراض نہ کرتے تو عہد قدما کے ممتاز اور مستند اساتذہ کے دفتر مین آج آپ کے نام نامی کی جگہ خالی نہ ہوتی۔ جن بزرگوں کے قدوم میمنت لزوم سے سارے شہر مین مذاق تصوف کیساتھ ادبی تحریکین کامیاب ہوں گلی کوچہ سے شعرا اور نثار اٹھنے لگین ان کی تعریف و توصیف محتاج بیان نہیں۔ اس بیاں کی تقویت مین حسب ذیل مستند تاریخی شہادتیں پیش کی جاتی ہین جس سے اس امر کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ حضرت عشق کا وقار خود ان کے زمانہ مین اکابر و تمام اور مشاہیر اہل فن کی نگاہوں مین کتنا بلند پایہ تھا :-

(۱) میر حسن جنہیں قدما کے علاوہ دور حاضر کے اکثر اہل نظر نے ادب اردو کے علاوہ ادب فارسی کا بہت بڑا نقاد مانا ہے اور انکی دست گاہ کامل کا اعتراف کیا ہے اپنے مشہور تذکرۂ شعرائے اردو مین لکھتے ہین :-

خورشید سپہر حال درویش بے مثال کاشف رموز حقائق شاہ رکن الدین المتخلص بہ عشق دام افضالہٗ کہ مرزا فدوی از شاگردان وی است و شعر عارفانہ در کلامش بسیار :-

(۲) مصطفیٰ خاں شیفتہ جو آزادروی اور منصفانہ نقادی میں سب سے زیادہ
مسلم ہیں۔ مشہور فرانسیسی مورخ تاسی نے اپنے تذکرہ شعرائے اردو کے مقدمہ میں
اس تذکرہ کی بڑی تعریف کی ہے اور خود اپنے دیباچہ میں مسلک تحریر و بیان کا اظہار
یوں کر چکے ہیں۔

مطمح نظر از فرود آوردن اشعار دل آرا است۔ نہ شمار اسامی شعرا۔ اعیان کاذب را
دریں اوراق نہ بینی و از شہر گیبی اعدا انشاء اللہ چوں دل اہل صفا دریں
بیاض اثرے نیابی لکھتے ہیں۔

عشق تخلص شاہ رکن الدین کہ از سخن پروران معروف عظیم آباد است
بہ وقار زندگانی کردہ۔

(۳) نصیر الملک نواب علی ابراہیم خان خلیل اپنے مشہور تذکرہ گلزار ابراہیم میں لکھتے ہیں
مرزا علی لطف کا تذکرہ گلشن ہند اسی سے ماخوذ ہے اور تاسی نے بھی اس تذکرے
کی سب سے زیادہ تعریف کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

از ہجوم معتقدان بہ عالم درویشی شاہی میکند۔ اشعار آں ستودہ اطوار پابند سیت عربی آمیختہ

(۴) صاحب گلشن ہند کی رائے نقل کرنا سبب طوالت ہوگا۔ کیونکہ
انکی رائے گلزار ابراہیم سے ماخوذ ہے۔

(۵) شیخ غلام ہمدانی مصحفی اپنے تذکرۂ ہندی میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

ہمان شاہ رکن الدین عشق کہ در عظیم آباد با عظمت وحرمت بسیار زندگانی میکند

(۶) صاحب شعر الہند نے بھی گلشن ہند سے عظیم آباد کے چند خوش گو شعرا کے حالات لکھے ہیں۔ اس منتخب فہرست میں بھی آپ کا نام نامی سب سے پہلے نظر آتا ہے۔ آپکے بعض شعر بھی استناداً پیش کیے گئے ہیں اس سے بھی آپ کی استادانہ عظمت و توقیر کا پتہ چلتا ہے۔

(۷) مرزا غلام حسین فدوی وقائع نویس احمد شاہ بادشاہ دہلی کا اُن کے آگے زانوے ادب تہ کرنا بھی ان کے کمال کی زبردست دلیل ہے۔ اس لیے کہ مرزا فدوی بہ جائے خود حلقۂ اساتذہ میں اک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ ذکر تلامذہ سے جو سطور آئندہ میں پیش نظر ہوگا ظاہر ہے :-

(۸) مرزا رفیع سودا ایک دفعہ آپ سے دلّی میں ملنے گئے۔ آپ اُس وقت دیوان خانہ میں رونق افروز تھے مگر نگاہیں دروازہ کی طرف تھیں۔ چہرہ سے انوار تجلیات اور جیلاں عرفان کی شعاعیں اتنی برس رہی تھیں کہ نظر پڑتے ہی سودا کو جنون ہو گیا کچھ دیر دم بخود فرش زمین پہ بیٹھ گئے۔ جب حضرت عشق کو خبر ہوئی اور آپ نے کرشمۂ استیناس تھا۔ رب سے دیکھا سودا کی یہ کیفیت جاتی رہی۔ پھر یہ شعر برجستہ پڑھا

اللہ رے عشق تیری یہ شان ✤ میرے تو خطا ہو گئے سارے اوسان

# عظیم آباد کی اہمیت ادبی اور تاریخی حیثیت سے

بارہویں[۱۲] صدی ہجری خدمت زبان کی لحاظ سے عظیم آباد کا عہد زرین ہے
اس وقت کے خوش گو شعرا کے حالات اور اُن کے کلام تو ہم معاصرین عشق کے
عنوان سے لکھیں گے۔ لیکن اس وقت کی ادبی خدمات کی تفصیل اور اس مرکز
خاص کی اہمیت دو مستند اور صاحب نظر حضرات کے تحریری حوالہ سے عرض
کرتا ہوں جو میری ناچیز تحریر سے زیادہ مناسب اور وقیع معلوم ہوتی ہیں انمیں سے
ایک جناب قاضی عبدالودود صاحب بی۔ اے ہیں جن کی وسعت نظر کا اعتراف
معارف جیسے علمی رسالہ کو بھی ہے۔

بارہویں صدی کے ربع آخر میں اُردو شاعری بہت ترقی پر تھی۔ بڑے
بڑے شعرا دہلی چھوڑ کر یہاں آئے اور یہیں کے ہو رہے۔ ان میں سب سے ممتاز
اشرف علی خان فغاںؔ ہیں جو دہلی کی بربادی کے بعد فیض آباد گئے۔ وہاں شجاع الدولہ
سے صحبت برآر نہ ہوئی اور عظیم آباد چلے آئے یہاں راجہ شتاب رائے کی قدردانیوں
نے کہیں جانے نہ دیا۔ اِن کے کچھ ہی بعد میر حسن کے استاد میر ضیا آئے۔ میر ضیا کا

دیوان اب نایاب ہے۔ لیکن تمام قدیم تذکرے ان کے مداح ہین اور خود میر حسن کا
اُن کے آگے زانوئے ادب تہ کرنا اُن کے کمال کی زبردست دلیل ہے۔ ان دونو
مسلم الثبوت استادوں کے علاوہ مرزا مظہر کے مشہور شاگرد حزین دہلوی۔ حضرت
عشق دہلوی اور فدوی دہلوی بھی یہین آکر اقامت پذیر ہوئے اور جسطرح میر سودا
سوز و حسرت کے لکھنؤ پہونچنے سے لکھنؤ مین ایک مستقل ادبی تحریک قائم ہوگئی
اسی طرح عظیم آباد مین بھی شعر و شاعری کا گھر گھر چرچا ہونے لگا اور ہر با مذاق شخص
ریختہ گوئی کی طرف مائل ہوا خود یہاں کی خاک سے نغز گو شاعر پیدا ہونے لگے
جن مین سے بعض نے دہلوی شعرا سے فیض پایا اور بعض نے بغیر کسی کی باقاعدہ
شاگردی اختیار کئے ہوئے خود استادی کا علم بلند کیا۔ اس دور مین ریختہ گو شعرا
کے متعدد قابل قدر تذکرے بھی لکھے گئے۔ جن میں سے تین کا نام معلوم ہو سکا ہے
(۱) تذکرہ میر غلام حسین شورش متوفی ۱۱۹۵ھ (۲) تذکرہ جوشش عظیم آبادی جس کا
حوالہ میر حسن نے اپنے کلام مین دیا ہے (۲) تذکرہ گلزار ابراہیم مولفہ نواب
نصیر الملک علی ابراہیم خاں خلیل یہ تذکرہ کئی برس مین مرتب ہوا ہے۔ اسکی تکمیل
غالباً ۱۱۹۶ھ مین ہوئی ہے

دوسری ہستی ہمارے وطن کے مایۂ ناز بزرگ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی

کی ہے جن کا پرزور بیان بھی قابل شنید ہے ۔

پٹنہ عظیم آباد ہندوستان کے ان قدیم شہرون مین ہے جو کئی ہزار سال سے علم و ہنر کا مرکز رہا ہے ۔ ابتدائے عہد کو چھوڑ کر صرف آخری صدیان لیجئے تو ہر دور مین اس خاک سے ہزارون ارباب کمال اٹھے ہین ۔ جن کی شہرت کا افسانہ اب تک تاریخ کہن نہین بنا ہے ، علم و ہنر کے بے انتہا انواع و اصناف کو چھوڑ کر صرف شعر و سخن کو لیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ شہر ہندوستان کے ان شہرون مین ہے جن کی مردم خیزی پر ہمارے ادبیات کو ناز ہے ۔ صفیر بلگرامی نے اپنے تذکرہ جلوۂ خضر مین غلط نہین لکھا ہے کہ دلی اور لکھنؤ کے بعد اردو کا تیسرا مرکز عظیم آباد ہے بہرام جنگ مظفر جنگ سید ہدایت علی وغیرہ صوبہ داران پٹنہ نے بھی اپنے بعد اپنی علمی قدردانی کے کارنامے چھوڑے ہین ۔ مسلمان شعرا کے پہلو بہ پہلو راجہ شتاب رائے راجہ پیارے لعل الفتی کے نام لینے چاہین جن کی سرپرستی سخن سنجی اور سخن فہمی نے عظیم آباد کو لکھنؤ بنا دیا تھا[۵۱] ۔

مین یہان پر حضرت صفیر بلگرامی اور علامہ موصوف سے بہ ادب تمام اختلاف کرنے کی جرأت چاہتا ہون ۔ تاریخی واقعات شاہد ہین کہ عظیم آباد مین لکھنؤ سے پہلے شعر و شاعری کا چرچہ زیادہ ہوا اور دہلوی شعرا کی آمد سے پہلے ہی پٹنہ مین باکمال شعرا موجود تھے مثلاً بارہوین صدی کے ربع ثالث مین امین ، جوشش ، دل ، جیسے اوستاد فن اپنی بساط سخن بچھائے ہوئے

تھے اسی دور میں اور اس کے بعد فغاں میر ضیا عشق فدوی حزیں بسمل وغیرہ آئے اور دہلی کے اس اختلاط نے عظیم آباد کی شاعری کی رونق دوبالا کر دی، لیکن برخلاف اس کے لکھنو کا یہ دور کسی باکمال ریختہ گو سے آشنا نہیں، میر حسن کی مثنوی پڑھو اور دیکھو کہ یہ شاعر لکھنو کی کیسی ہجو کرتا ہے، اس سے لکھنو کی تنقیص مقصود نہیں بلکہ دکھانا یہ تھا کہ تاریخی طور پر عظیم آباد کی مرکزیت کو لکھنو پر تقدیم حاصل ہے، لکھنو کی مرکزیت اس وقت مسلم ہوئی جب میر سودا اور میر حسن جیسے شعرا وہاں آصف الدولہ کے عہد میں پہونچے اور مذکورہ بالا دہلوی شعرا کی آمد ۱۱۹۰ھ کے بعد سے شروع ہوئی مگر ۱۲۲۵ھ تک خود لکھنو کی خاک سے کوئی نغز گو شاعر نہیں اٹھا، لیکن عظیم آباد کو دیکھئے کہ یہاں راسخ جوشش، امین، دل، شورش، موزون، جعفر (استاد میرزا) میرزا بیدل، خواجہ کلان (وغیرہ) جن کا زمانہ تیرہوں صدی کے ربع اوّل سے گیارہویں صدی کے ربع آخر تک ہے، اپنے اپنے دور کے باکمال اور نغز گو شاعر ہے ہیں، تفصیل کا یہ موقع نہیں الناظر کے گذشتہ دور میں ایک باخبر اہل قلم نے اس طرف توجہ خاص دلائی تھی "

"اور اب تو ہر گوشہ سے یہی صدا بلند ہو رہی ہے، شعر الہند[له] میں بھی س مرکزیت کو منصفانہ اور مورخانہ حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ امرائے عظیم آباد نے بھی فیاضانہ طور پر اپنی مرکزی حیثیت کو قائم رکھا، اور شعرا کے اطمینان اور دلجمعی کے سامان بہم پہونچائے، چنانچہ شعرائے عظیم آباد اور مرشد آباد میں جس قدر خوش گو لوگ تھے وہاں کے امرا و روسا نے ہمیشہ انکی سرپرستی کی اور انہوں نے ان کی رفاقت میں نہایت فارغ البالی سے زندگی بسر کی جسکی مختصر فہرست حسب ذیل ہے

| اسمائے شعرا | مربیان سخن |
|---|---|
| (۱) حضرت شاہ رکن الدین عشق | خواجہ محمد تقی خان نائب ناظم نواب قاسم علی رسالدار (بنگال) |

[له] شعر الہند ۱۲+

(۲) فقیر صاحب دردمند — نواب غلام حسین و نواب عظیم خاں۔

(۳) میر باقر حزیں۔ — نواب با فرہنگ سعید احمد خاں صولت جنگ

(۴) الم خلف خواجہ میر درد — دولت رام موزوں

(۵) اشرف علی خاں فغاں۔ — راجہ شتاب رائے

ان کے علاوہ بہتیرے شعرا ہیں جنھوں نے اس خاک پاک کے دامن قدر شناسی میں نشو و نما پائی ہے۔ چونکہ اس عہد کا سب سے بڑا علمی مشغلہ شاعری تھا اس لیے تمام فارغ البال ارباب مذاق قدر دانی سخن کے شیفتہ تھے۔

ان واقعات روشن سے بصیرت اندوز ہو جانیکے بعد نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولنا عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو (اورنگ آباد) نے انتخاب کلام میر کے مقدمہ میں یہ صحیح نہیں لکھا کہ دلی کی تمام رونق لکھنؤ میں آگئی اس لیے کہ ان اساتذہ کی تعداد لکھنؤ کی نسبت بہت زیادہ ہے جو دلی سے عظیم آباد آئے۔ ایک میر ضیا ہی کو دیکھئے جو میر حسن کے استاد ہونیکے علاوہ دنیائے شاعری میں یہ شخصیت رکھتے تھے کہ لکھنؤ کی تمام خوشگو شعرا نے انکے آگے زانوئے ادب تہ کیا تھا۔

## عظیم آباد میں حضرت عشق کے بعض ہمعصر شعراء

سیاسی انقلابات و سلطنت اسلامی کے زوال کو دیکھتے ہوئے اس عہد میں علم ادب کے کملا اور مربیان سخن کی جستجو امید موہوم سے زیادہ وقعت نہ رکھ سکتی تھی مگر خدا کی شان ہے اسی میں ایسے کملا فن و شہسواران میدان سخن نظر آتے ہیں جنکی آغوش تربیت میں صرف شعر و سخن نے نہیں بلکہ زبان اردو نے نشو و نما پائی۔

تذکرۂ عشقی جو عظیم آباد کے ایک فرزند نے لکھا تھا، شعرائے اردو کا سب سے قدیم تذکرہ تھا اور تاسی کی نظر سے بھی گذرا۔ اسلیئے عظیم آباد کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ سب سے پہلے شعرا کا تذکرہ یہیں لکھا گیا جو نایاب ہے ورنہ

شعرائے قدیم کے کمالات سے واقفیت دشوار نہ تھی مگر پھر بھی مرزا بیدل مرزا جعفر
(عاشق)
امین جوشش، شورش، دلؔ اور ان کے بعد حسرت حضور، سلیم۔ محترم علی خان
خواجہ کلاں۔ میر حمزہ (استاد سراج اکبرآبادی) جبار علی بسمل تحقیق وغیرہ
اس عہد کے ایسے نامی گرامی شعرا ہین جو اسی خاک پاک سے اُٹھے۔ اور اُن کے
کمالات کا شہرہ سارے ملک مین پہونچ گیا تھا، جس کا ثبوت قدیم تذکروں مین انکے
کمالات کا اعتراف ہے۔ ان ساتھ ساتھ اُن شعرا کے نام بھی لینے چاہئین
جنھوں نے یہاں کی آغوش تربیت مین نشو و نمائی پائی۔ اشرف علی خان فغاں
مرزا شرر۔ میر ضیا۔ حضرت عشق۔ مرزا فدوی۔ میر باقر حزین وغیرہ ہین جن کے
پہلو بہ پہلو دولت رام موزوں اور راجہ بیاسے لعل الفتی کے نام ہین جن کی
سخن سنجی و سخن نوازی نے عظیم آباد کو رشک لکھنؤ بنا دیا تھا۔ اگر کوشش و کاوش
سے کام لیا جائے تو ان باکمالوں کے کلیات و دواوین اب بھی کسی نہ کسی گوشۂ گمنام
سے مل سکتے ہین اور دنیا پھر ان کے تجلیات کمال سے پرنور ہو سکتی ہے۔

اس موقع پر صرف ۴ مشاہیر کے کلام کا منتخب نمونہ کچھ مختصر حالات کیساتھ
پیش کرتا ہون۔ انشاءاللہ کسی دوسری فرصت مین اضافہ مزید کی سعی بلیغ کیجائیگی

# خواجہ امین الدین آمین

خواجہ امین الدین آمین ۔ در شعر فہمی و سخن رسی از نوادر روزگار است
فکرش را رفعتے و ذہنش را استقامتے ہست کہ کمتر در شعرائے معاصر یافتہ
میشود از چند سال تا ۱۱۹۴ھ با نواب مظفر جنگ میر محمد رضا می ماند

گلزار ابراہیم

یہ پٹنے کے پہلے باکمال شاعر ہین خواجہ عبداللہ تائید جو نواب علی ابراہیم
کی ادبی تصانیف مین معین و یاور رہے ہین ان کے کمال کے معترف مین دیوان
ریختہ جو دو ہزار اشعار کو شامل تھا ۱۱۸۵ھ مین مرتب ہوا اب نایاب ہے مگر تمام
قدیم و جدید تذکرے ان کے مداح ہین دیوان فارسی خانقاہ عمادیہ منگل تلاب
کے کتب خانہ مین موجود ہے ۔ کمال سخن یہ تھا کہ اپنے وقت مین ان کا کوئی
حریف نہ ہوسکا ۔ بلکہ ہر اہل نظر نے ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے ۔

کلام کی خوبی محتاج بیان نہین ۔

## نمونہ کلام حسب ذیل ہے

غیروں سے اختلاط ہماری بلا کرے + گر آشنا کرے تو تجھی سے خدا کرے
دنیا مین کہنے کو سبھی کہلاتے ہین بھلے پر ہے وہی بھلا ، جو کسی کا بھلا کرے

دن کٹا فریاد مین اور رات زاری مین کٹی ٭ عمر کٹنے کو کٹی پر کیا ہی خواری مین کٹی

صبح گر صبح قیامت ہو تو کچھ پروا نہین ٭ ہجر کی جب رات ایسی بے قراری مین کٹی

تری نگہ کے جو ہون گے مارے نہ مانگا ہوگا انہون نے پانی۔

نہ ایسی دیکھی ہے تیغ ہم نے نہ ایسی دیکھی ہے آب داری

جس کا دل آپ نے لیا ہوگا    خاک مین سے ملا دیا ہوگا

ہم کو کیا گر بہار آتی ہے    دل وہ غنچہ نہین کہ وا ہوگا

دنیا مین جو آگرنہ کرے عشق تباں کا ٭ نزدیک ہمارے نہ یہاں کا نہ وہاں کا

## شیخ محمد روشن جوشش

مردیست متوطن عظیم آباد۔ خوش طینت نیک اعتقاد شاعر شیرین کلام و صاحب دیوان۔ از خاصان آن دیار است۔ کلامش شاعرانہ است۔ شغلے می ورزد و در تالیف تذکرہ مصروف است ۔     تذکرہ شعرائے اردو۔ میر حسن

از تازہ خیالان عظیم آباد است ، شعرش صاف و بے غش ، فکرش دل پذیر و دل کش شیوہ گزیدش گزیدہ و طرز پسندیدہ اش پسندیدہ     در فن عروض بسیار

مہارت دل خواہ داشت — گلشن بیخار

شیخ محمد روشن نام، جوشش تخلص، متوطن عظیم آباد، تمام اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ ان کی خوش لیاقتی احاطۂ تعریف سے باہر، نظم ریختہ میں طبیعت رسا پائی تھی معنیٔ بیگانہ کو آشنا بنانے میں مہارت خاص تھی۔ درد کی چاشنی ہر جگہ کلام سے نمایاں ہے صاحب تذکرہ وصاحب دیوان تھے، تذکرے کا تو کہیں پتہ نہیں۔ دیوان کے متعلق گماں غالب ہے کہ نیمی میں ہوا اس لئے کہ شوق نیموی کے کتب خانہ میں موجود تھا اور اُن کا کتب خانہ پٹنہ سے نیمی بہ حفاظت تمام میری آنکھوں کے سامنے گیا ان کا کلام بھی امین کی طرح وصف ومدح سے مستغنی ہے کلام کا منتخب نمونہ حسب ذیل ہے

وہ کیا ہوا زمانہ رونے میں جب اثر تھا — یہ چشم خوں فشاں تھی یہ دل ہی جگر تھا

ہزار پیار کرے گا ہزار چاہے گا — مری طرح نہ کوئی تجھکو یار چاہے گا

تجھ سے ظالم کو اپنا یار کیا — ہم نے کیا جبر اختیار کیا

نام سنتے ہو جس کا ویرانہ — وہی سودائیوں کی بستی ہے

سرگشتہ اس جہاں میں مثل گرد باد ہیں ہم — تھک کر جہاں پڑے ہیں وہی ہے گھر ہمارا

آشنا جب سے ہوئے اس بت ہرجائی سے — در بہ در خاک بسر پھرتے ہیں سودائی سے

گرہ میں غنچوں نے نافے کے نافے باندھ لئے — چمن میں کھل جو گئی زلف مشک بو تیری

۳۲

# اشرف علی فغاں

از ہنگامہ آرایاں زماں و ظرفائے دوراں، خوش طبع وشیریں زباں کوکۂ احمد شاہ غفراں پناہ شاعرے بود مربوط و لطائف و ظرائف از و مشہور ۔ از مدتے در عظیم آباد با راجہ شتاب رائے بسر می برد ۔ (تذکرۂ شعرائے اردو)

بسیار قابل و جواں و ہنگامہ آرا، شعر ریختہ بہ خوبی میگوید ۔ (نکات الشعرا)

شعر را بہ صفائے بسیار می گوید ۔ (تذکرۂ مصحفی)

وطن عزیز دلی تھا ۔ احمد شاہ کے کوکہ ہیں ۔ ظرافت طبع کے کمال نے ظریف الملک کا خطاب دلایا ۔ ہر کسی سے خوش مزاجی اور خوش مزاقی سے پیش آتے ۔ شاعری میں ید طولی اور طبع رسا رکھتے ہیں ۔ شرف تلمذ شیخ علی قلی ندیم سے حاصل تھا، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی نے ان کے مرتبہ عالی کو شہرۂ آفاق بنا دیا تھا ۔ جہاں جاتے ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے اور سر اور آنکھوں پر جگہ پاتے ۔ دلی کی ویرانی نے وطن کو خیرباد کہنے پر مجبور کیا ۔ مرشد آباد و فیض آباد گئے مگر رہ نہ سکے آخر عظیم آباد آئے اور بس آگئے راجہ شتاب رائے کی قدردانیوں نے پھر کہیں جانے نہ دیا ۔ استاد مسلم الثبوت ہیں ۔ انکی مشاقی مضمون آفرینی اور

ذہانت وحاضر جوابی بدیہہ گوئی اور پرگوئی کی روایتون سے دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہین - سن وفات ۱۱۸۶ھ ہے مزار شریف بھی اسی بلدہ مین تھا - دیوان ریختہ کیساتھ ساتھ دیوان فارسی بھی مرتب تھا چند اشعار یہان نمونتاً پیش کیے جاتے ہین

تحمل آتش غم مین دل بیتاب کیا جانے ✤ ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

ایسی نگاہ کی کہ مزاجی نکل گیا ✤ جھگڑا اٹھا، عذاب سے چھوٹے خلل گیا

عاجز ہوں ترے ہاتھ سے کیا کام کروں مین ✤ کر چاک گریباں تجھے بدنام کرون مین

عالم مین اگر عشق کا بازار نہ ہوتا ✤ کوئی کسی بیدل کا خریدار نہ ہوتا

کسے تو ڈھونڈھتا پھرتا ہے اے فغان تنہا ✤ کہ اس سرا کے مسافر تو گھر گئے اپنے

عشاق تیرے گرمی بازار کر گئے ✤ اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے

جاگا نہ کوئی خواب عدم سے کہ پوچھتے ✤ آسودگان خاک مین بیدار کون ہے

تنہا اگر مین یار کو پاؤں تو یہ کہون ✤ انصاف کو نہ چھوڑ محبت اگر گئی

قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے ✤ خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے

تیرے ہی دل سے پوچھیئے اس غم کو اے فغان ✤ الفت بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

نہ کھولئے ترے بند قبا تو کیا کیجئے ✤ دل گرفتہ کو اے جان کبھی تو وا کیجئے

کیا تو شب فراق مین جیتا رہا فغاں ✤ یاں تک گمان نہ تھا ترے صبر و قرار کا

ایک قدیم بیاض سے :-

اس **شعر** پر مرزا سودا نے تضمین کی ہے۔

شکوہ کرے ہے تو جو مرے اشک سرخ کا ۔۔ تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

# میر ضیاء الدین ۔ ضیا

نیّر آسمان سیادت، گوہر بحر شرافت، بدرے است از سپہر کمال و صدرے است از مجلس جلال شمعی است پر ضیاء و عاشقے است با صفا طرزش ما ما بہ طرز مولانا نیفتی، شعر پر درد روش بر جگر عاشقاں نشتر زار برائے سوختگان عشق شرار اکثر غزل در زمین سنگلاخ گفتن و الفاظ نامقبول را در بندش مقبول لہا ساختن کار اوست، اصلش از شاہ جہاں آباد از چندے در عظیم آباد استقامت دارد۔ پسر را بہ شتاب رائے بر طریق نذر چیزے می گذراند۔ شنیدہ ام کہ او ہم فکر شعر می کند۔ (گلزار ابراہیم)

اُستاد فقیر مولف کتاب ہماں است۔ غرض کہ ہمچنیں آشنائے درست در آشنائی ندیدہ و نشنیدہ۔ متواضع۔ مؤدب اہل دل منصف مزاج۔ دردمند از ہر کہ شعر پر درد شنید محظوظ شد و گریستند ۔۔ "تذکرہ میر حسن"

ضیا تخلص جوانے ہست۔ مؤدب۔ مہذب۔ متواضع با فقیر ربطے بسیار دارد ۔۔ "نکات الشعرا"

میر ضیاء الدین نام۔ ضیا تخلص۔ دہلی کے متوطن اور میرزا سودا کے ہم عصر تھے۔ نظم ریختہ میں بلند طبیعت اور فکر رسا کے مالک ہیں۔ دلی سے پہلے لکھنو آئے اور ایک مدت تک شاعری اور سخن نوازی کی داد دی۔ مرزا علی لطف لکھتے ہیں وہاں کے اکثر سخنوروں نے اس شاعر شیریں کلام سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر عظیم آباد چلے آئے اور یہیں استقامت اختیار کی۔ کلام کی رنگینی اور مذاقِ سخن کی سنجیدگی و متانت سبھوں نے تسلیم کی ہے۔ میر صاحب جیسے نازک مزاج سے بھی بڑا یارانہ تھا اور وہ بھی بڑی قدر اور منزلت سے انھیں دیکھتے تھے۔ کلام کا منتخب نمونہ حسب ذیل ہے :

کبھی جا گل کو دیکھے ہیں کبھی تکتے ہیں نرگس کو + خدا جانے مری آنکھیں پھرے ہیں ڈھونڈھتی کس کو

آہستہ پاؤں رکھو اے بوئے گل چمن میں + سوتے ہیں اس زمیں میں نازک دماغ کتنے

نگاہِ لطف ادھر قاتل شہید ناز مرتے ہیں + جو مانگے سو لیے دیتے ہیں جس کو قتل کرتے ہیں

ہاؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مرجھانے لگا + آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کمھلانے لگا

گل کی رسوائی تجھے کیا کم نہ تھی اے تنگ خلق + اُسکے کوچے میں ضیا تو آج پھر جانے لگا

ضیا رکھ ہاتھ سینے پر خبر دل کی بھی لے ظالم + کہ آج آنسو تری آنکھوں سے کچھ لوہو سے آتے ہیں

یوں نے کل پوچھا ضیا نے دل کدھر کو کھو دیا + اُسنے کوچے کو تِرے بتلا کے ٹپ ٹپ رو دیا

# صوفیانہ شاعری
اور
# عظیم آباد

صوبۂ بہار مین اسلام تصوف کیساتھ آیا[۹۱]۔ اور یہ ہم لکھ چکے ہین کہ قدما کے دور مبارک مین شاعری اور درویشی دوش بدوش تھی۔ صوبۂ بہار مین عظیم آباد کی قدامتؐ اہمیت اہل نظر اور ارباب سیر و تواریخ سے پوشیدہ نہین۔ اسلئے یہ سمجھنا بھی کوئی مشکل نہین کہ عظیم آباد کی عام سخن سنجی اور صوفیانہ شاعری بھی اپنے ساتھ ایک بیمثال تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ اگر تفصیل و تشریح سے طوالت مزید کا اندیشہ نہوتا تو قدمائے کاملین کے تصانیف و کلام پر ایک نظر ڈال لینا بھی ناممکن العمل یا غیر مناسب نہ تھا۔ کیونکہ تمام مستند تاریخی بیانات[۹۲] شاہد ہین کہ عظیم آباد کے تمام خوش گو شعرا اصحاب عرفان تھے، اس کے لئے کسی دوسری فرصت کا انتظار کیجئے :۔

لیکن اتنا ضرور عرض کئے دیتا ہون، ایک مرزا بیدل رحمتہ اللہ کی ہستی ہی خاک عظیم آباد کے اُن اساتذۂ کاملین مین ہی، جن کے فیضان کمال اور شرف صحبت مین اکثر مشاہیر ہند کے مذاق علم و فن کی نشو و نما ہوئی ہے :۔

مجھے چونکہ اس وقت ایک درویش بیمثال کے کلام عارفانہ سے تعارف مقصود ہے

[۹۱] تذکرۂ ابوالحسنب ۱۲

[۹۲] کاشف الحقائق مرزا آزاد صفحہ ۱۰ ۱۲

اسلئے بے موقع نہ ہوگا اگر صوفیانہ شاعری کی خصوصیات پر کچھ اشارہ کیا جائے
سلوک، روحانیت کے جلوے ادب و شاعری کے قالب بے جان مین اثر مسیحائی
دکھاتے ہین زبان فارسی کی عشقیہ شاعری کو دنیا کی تمام زبانون پر جو ترجیح و تفضیل
حاصل ہے۔ اس کا راز صرف عارفین کامل اور اکابر صوفیہ کے جذبات عالیہ کی ترجمانی
مین مضمر ہے۔ اردو سلاست و شیرینی اور مذاق کی لطافت و سنجیدگی سے
اسوقت تک محروم تھی، جب تک ان بزرگوارون نے اس کی طرف نظر عنایت
مبذول نہ کی۔ چنانچہ قدرت اللہ صدیقی نکات الشعرا مین لکھتے ہین[۵۲] :-

"اول کسے کہ طرز ایہام گوئی را ترک نمود ریختہ را در زبان اردوئے معلے شاہ جہان آباد
کہ الحال پسند خاطر عوام وخواص گردیدہ، مروج ساختہ حضرت زبدۃ العارفین میرزا
مظہر جان جانان ہست"

مصحفی اپنے تذکرہ شعرائے ہندی مین رقم طراز ہین

"فی الحقیقت نقاش اول زبان ریختہ بہ اعتقاد فقیر مرزا است بعدہ بہ تتبعش دیگران رسیدہ"

صاحب شعر الہند نے بھی یہی رائے قائم کی ہے

"جب میرزا مظہر جان جاناںؒ نے اردو شاعری کو فارسی قالب مین ڈھالنا چاہا
تو سب سے پہلے راستہ سے اسی سنگ راہ کو ہٹایا (رعایت لفظی اور ضلع جگت وغیرہ)

[۵۱] شعر العجم

[۵۲] بہ حوالہ گل رعنا

اس کے علاوہ شعرائے اردو کے اکثر قدیم تذکرے شاہد ہیں کہ ادبِ اردو نے انھیں بزرگانِ دین کی آغوش تربیت میں نشو و نما پائی ہے۔ خود ریختہ کے استادِ اوّل (بقول میر حسن میر تقی) ولی دکنی کا مذاقِ سخن شاہ گلشن دہلوی کی صحبت میں پاکیزہ ہوا ہے اور انھیں کی فرمائشوں سے زبانِ ریختہ میں فارسی کے رنگین مضامین داخل کیے گئے ہیں۔[۵۴] بخلاف اسکے میر صاحب جو سرتاج الشعرا ہیں اس ایہام گوئی کے دلدادہ نہ تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں۔ "اکنوں طبیعتہا مصروف ایں صنعت کم است۔ ولی بسیار بخوبی بستہ" شود و مصحفی بھی اس عیب سے عملاً پاک نہیں اور اہل لکھنؤ نے تو اس کو ایک فن خاص ہی بنا دیا تھا۔ جیسا کہ سید انشا کی تصریحات سے ظاہر ہے[۵۵] جس کا ثبوت میر صاحب کی آخر عمر میں گوشہ نشینی بھی ہے اور واقعی لکھنؤ کی بدمذاقی کی تصویر جو میر صاحب نے کھینچی ہے عبرت انگیز ہے جس کی ابتدا اس جملہ سے ہوتی ہے۔

لکھنؤ کے جیسے چھوکرے ہیں ویسی ہی شعر کہتے ہیں۔[۵۶]

اسی ایہام گوئی اور مذاق کی پستی نے ترقی زبان میں روڑے اٹکائے جو کچھ ان کی مذاق کے عام اثر سے ہوتی ہے اور کچھ فارسی شاعری کے عیوب کو ہنر سمجھنے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً علامہ شبلی نے شعرائے فارس کے فرضی معشوق کے رخ زیبا پر جو خط و خال دیے ہیں۔ یعنی محبوب شاہد بازاری اور مبتذل ہے۔

[۵۴] تذکرہ میر حسن ۱۲ [۵۵] شعر الہند ۱۲ [۵۶] آب حیات ۱۲

وہ ہر ایک کو ہاتھ آسکتا، سیکڑوں سے تعلق رکھتا ہو آج اُس سے ہمکنار ہو
تُو کل اس سے ہم آغوش، جہاں محفل میں جلوہ آرا ہوا۔ چاروں طرف سے
عشاق کا جمگھٹ لگ گیا، کسی سے آنکھیں لڑائیں، کسی سے اشارے ہوئے
کسی سے جھوٹا وعدہ کر دیا، اور بہتوں کی زبان و قلم اور بہتیرے آلات
حرب سے جانیں لیں، کسی سے فریب آمیز محبت کا بھی اظہار کر دیا،
سب نے سمجھا، وہ میرا ہو۔ مگر وہ اپنے مطلب کے سوا کسی کا نہیں۔ +

اسی کا نتیجہ تھا کہ اُردو شعرا بھی شعرائے فارس سے بد مذاقی اور
بد زبانی میں کسی طرح کم نہ رہے بلکہ اکثر مقامات میں انھیں کا اشہب قلم
سرپٹ دوڑ گیا ہو۔ فحاشی اور ابتذال کی کوئی انتہا نہ رہی، اس فن
کے کمال کا نمونہ پیش کرنا سنجیدہ مذاقی کے خلاف سمجھا گیا ہو۔ صرف چند
وہ شعر جن میں لفظی تک بندی میں زورِ طبیعت دکھایا گیا ہو۔ سُن لیجئے ؎

ہمارے خط میں یہ مضمون سے گرانی تھا + کہ ایک حرف نہ اُس گُل عذار سے اُٹھا
جب دہان تنگ دیکھا۔ گور تنگ آئی نظر + مار دوزخ یاد آئے زلف پیچاں دیکھکر
خط ترا ہر روز پڑھواتے ہیں ہم + دل اسی پرچے سے پرچاتے ہیں ہم
بوسہ مانگا تو لائے ذکر تینگ + پیچ سے کاٹ دی ہماری بات

قبر کے اوپر لگایا نیم کا اُس نے درخت ÷ بعد مرنے کے مری توقیر آدھی رہ گئی

تصور قد موزون مین پڑھتے ہین میزان ÷ خیال رخ مین گلستان تمام کرتے ہین

غرض دلی تو پہلے ہی سونی ہو چکی تھی اور لکھنو اس بادۂ حقیقت سے ہمیشہ ہی نا آشنا رہا ایسی حالت مین اگر مذاق سلیم کی نباہ کچھ مدتون تک ہوئی تو عظیم آباد میں دلی و لکھنو کے بہتیرے خوش گو شعرا پھلے پھولے بھی تو یہین آکر خود یہان ایسے مستند تذکرے لکھے گئے جن کی محققین یورپ نے بھی حد سے سوا قدر کی اور جی کھول کر سراہا۔ شعرا بھی اس خاک پاک سے ایسے ایسے نغز گو ہو گذرے جن کے دامن کمال پر زمانہ کی سرد مہری بھی خاک نہ ڈال سکی :۔

بد مذاقی کی ان مثالون سے مقصد خاص صرف یہ تھا کہ مجاز و حقیقت گل و خار اور ظاہر و باطن کا فرق ظاہر ہو۔ آگے چل کر آپ صوفیانہ اور عارفانہ کلام سنینگے اُس کی قدر یون نہ ہوگی جب تک ان اشعار سے موازنہ نہ کیا جائے کہ تعریف الاشیاء باضدادہا۔ تمہید کے ان چند جملون کے بعد صوفیانہ شاعری کی داخلی خصوصیات پر ایک نظر ڈال لینا بھی ضرور ہے :۔

(۱)

صوفیائے کاملین نے اپنے کمالات باطنی اور تجلیات روحانی کی سب سے بڑی شعاع جو قلوب شعر پر ڈالی ہے وہ غزل کے عناصر اصلی کا حسن لحاظ ہے۔

اور لطافت مذاق کی رہنمائی۔ یہی وہ جوہر کمال ہے جو مذاق تصوف سے آشنا ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً عشق کی مدح و توصیف، حسن حقیقت کی تجلیاں، جذبات و اردات کی پاکیزگی، اچھوتے اور دل آویز خیالات کا اضافہ، اخلاق و حکمت کے درس تعلیم کا گنجینہ۔ علامہ شبلی نے شعر العجم میں کیا خوب فرمایا ہے، انہیں خیالات کو جب تصوف کی زبان سے ادا کرتے ہیں تو اور ہی جوش پیدا ہوجاتا ہے۔ ورنہ ایسے شعرا جنہیں مذاق تصوف سے آشنائی نہیں وہ ایسے پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں یا وہ اصداف ہیں جن میں درخوش آب نہیں، شمس العلماء حضرت اثر نے راسخ مرحوم کے حالات میں کیا لگتی ہوئی بات کہدی ہے،

"بے فقیر دل ہوئے نہ کلام میں اثر ہوا ہے، نہ ہوگا،"

اکابر صوفیہ، صفائی قلب و نزہت روح کے سب سے بڑے ماہر اور رمز آشنا ہیں، اس لئے بھولے بھی ان کے زبان و قلم پر ایسے محاورات و الفاظ نہیں آتے جو مذاق کی لطافت و سنجیدگی کے خلاف ہوں۔ یا حسن ادا اور تہذیب و متانت کے دائرے سے باہر، اردو کے اکثر اساتذہ نے اس راہ میں بھی بڑی بڑی ٹھوکرین کھائی ہیں اور غضب یہ ہے کہ اسی شکست فاش کو شان دار پسپائی سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲)
شاعری صرف جذبات اور احساسات کے اظہار کا نام ہے۔ اس مین

جتنی پاکیزگی اور سچائی ہوگی اُتنا ہی جوش اور اثر پیدا ہوگا۔ ایسے خیالات
جو ذاتی مفاد یا ابتذال آمیز ہیں اور عامیانہ طرز ادا سے نظم کئے جاتے ہیں،
ان خوبیوں کو کھو دیتے ہیں۔ اسلئے بادشاہوں کی شان میں قصیدہ خوانی
یا امرا کی مدح سرائی، بزور تخیل اور شوکت الفاظ کے سوا زبان یا ادب کو
کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتی۔ بلکہ اس سے قومی نشو و نما اور تہذیب و
تمدن انسانی پر برا اثر پڑتا ہے کیونکہ منشائے اصلی رسوخ دربار
یا طلب زر ہے۔ حضرات صوفیہ چونکہ دنیا طلبی سے آزاد اور بے لوث
ہوتے ہیں اسلئے انھوں نے فارسی اور اردو کی شاعری سے مداحی
اور قصیدہ گوئی کے داغ کو بھی مٹا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے ملک کے
بہترین دماغ کا زور تخیل، کاوا کی اور ابتذال میں جدتیں دکھانے سے
الگ ہوکر احساسات کے اظہار اور جذبات کی ترجمانی کی سیدھی راہ پر لگ گیا۔

میں نے چند خاصیتوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ اگر تفصیل کی تمنا ہو مطولات
کی طرف رجوع کیجئے۔ اب اس خصوص میں حضرت عشق کے صوفیانہ اور عارفانہ
کلام مختلف عنوانات سے پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ادراک مفہوم و معنی میں سہولت ہو

## قرب الٰہی میں نزاکت اور رضا بالقضا۔

ہو تماشا گاہِ دل صیاد اُس نخچیر کا + جسکے ہر ٹکڑے پہ ہو نقشہ تری تصویر کا

جبریل کی کیا طاقت ہو گرد پھرا سکے + جس شمع پہ جلتا ہی پروانہ محبّت کا

## دل کی عظمت

کونین میں جو کچھ ہی سو اِس میں سمایا ہی + کب عرش سے چھوٹا ہی پیمانہ محبت کا

دو عالم اس کے گوشے میں سمایا + ذرا وسعت تو دیکھو میرے دل کی

## مقامات سلوک کی لغزش و خطرناکی اور اُفتادگی راہ سلوک

وَہم کی غفلت میں آہ وہم ہی گیا + سر اُٹھایا تو کاروان کہیں

عشق ہی ہم کو ستاتا ہی ہمارا یارو + ورنہ معشوق کبھی در پئے آزار نہ تھا

## محویت و استغراق کا عالم

جستجو میں مری نہ حیراں ہو + مثل عنقا میں گھر نہیں رکھتا

مدّت سے ہیں اپنی جستجو میں + ہیں آپ سے اس قدر گئے ہم

## معشوق حقیقی کے جلووں کی نیرنگی

یاد اُس زلف پریشاں کی جو آئی اوصبا + جمع تھا جو غنچہ دل سو پریشاں ہو گیا

اُسکے چہرے پر خدا ہی جانے کیسا نور تھا + ورنہ یہ دیوانگی کب عشق کا دستور تھا

## حسن حقیقت کے جلوے عاشقوں کو چھپا لیتے ہیں۔

بہ رنگ عشق وہ بھولا ہی آپ کو ساقی + جو تیرے جام محبت سے کامیاب ہوا

## خدا تک کسی کا گذر نہین۔

اُس بے نشان کا نام کوئی کیا بیاں کرے
جس گم شدہ کی گرد کو عنقا نہ پا سکے

## عارفین وسائل کے محتاج نہین۔

ساقی سے کہو جام و صراحی کو اُٹھالے + کیا دست نگر آنکھوں کے ہین دیکھنے والے

## العشق نار یحرق ماسواہ۔

دیر و کعبہ مین سنا گوش سے دل کے ہم نے
عشق کے ذکر سوا اور تو مذکور نہ تھا

اُس کی نگہ کی گرمی جس جس طرف پڑی ہے
سینہ مین جس نے دیکھا دل کو کباب پایا

دفتر زندگی تمام ہوا
رہ گیا عشق کا سبق باقی

## بہت سے اسرار کہنے کے قابل نہین۔

کہون کس طرح جو گذرے ہے دل پر
وہ مضمون آبھی سکتا ہے زبان پر

اپنی آنکھون سے پوچھ لے خوش چشم
مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا

## کفر و اسلام کی حقیقت کب معلوم ہوتی ہے؟

تب سمجھے کہ کیا ہے کفر و اسلام
ان دونوں سے جب گذر گئے ہم

خیال دیر و حرم سر نے سر سے دور کیا
بند ھا ہے جب سے تصور اُس آستانے کا

## خدا کی حقیقت معلوم نہین ہو سکتی

جس کے دامن تلک نہ پہونچے ہاتھ وان کیا دوستی ❖ عشق بازی اُس سے میں کرتا مگر دیوانہ تھا

اُس کے دامن تلک نہ پہونچے ہم　　خاک مین آپ کو ملا دیکھا

## فلسفی و حکیم صوفی کے سامنے ہیچ ہین

نمود آئینۂ دل مین جو بے صورت کی صورت ہے　　مثالین کیا بیاں کیجے جہاں بے مثالی ہے

جس درد کے علاج مین مرتے ہین یہ طبیب　　ہے عشق کے سوا کوئی آزار اور بھی

## عالم مجاز مین حسن حقیقت کی جستجو۔ یا وحدۃ فی الکثرۃ

مرقع کی جہاں کے اِس لئے میں سیر کرتا ہون　　کہ شاید کوئی تصویرون مین صورت آشنا نکلے

## منزل حقیقت کا بُعد

دشتِ عدم کی سیر تو کی آج ہم نے عشق　　تھک تھک کے آگے پیچھے یقین و گمان ہے

## حقیقت و مجاز کی ہستی کا فرق

بے عکس آئینہ مین نظر آئے کیا ظہور　　تم سامنے نہ ہو تو میاں ہم کہاں رہے

# پھلواری شریف
میں
# حضرت عشق کے ہمعصر صوفی شعراء

مشہور ہو کہ یہ قصبہ متبرکہ ایک ہزار برس سے آباد ہو اور ہمیشہ فقر و سلوک کا مرکز رہا
مسلمانوں کے پہلے بھی یہاں سنیاسی فقرا کا مسکن تھا۔ پھر آٹھویں صدی ہجری
میں حضرت مخدوم سید منہاج الدین راستی تشریف لائے جو مخدوم
الملک حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔
یہ بزرگ مخدوم صاحب کے اشارے ہی سے یہاں رونق افروز ہوئے اسی وقت سے
یہانکی اسلامی آبادی کو فروغ ہوا[۱]، اسکے بعد سے اب تک یہ قصبہ اپنی تاریخی اہمیتوں
اور علم و عمل کی خصوصیتوں کی بنا پر صوبہ بہار اور اکثر بلاد ہند و بیرون ہند کے مسلمانوں کا مرکز رہا ہے
یہاں کے فقرا کاملین کے نام بہتیرے شاہی فرامین تھے جنکی نقل جزو اول
قرون ماضیہ فی القصبۃ الناجیہ مؤلفہ جناب فیضمآب مولوی حکیم سید شاہ محمد شعیب صاحب
قادری مجیبی دامت فیضانہ، میں موجود ہے۔

حضرت عشق کے زمانے میں یہاں سیکڑوں صوفی اور خوش گو شعرا موجود تھے

[۱] قرون ماضیہ فی قصبہ ناجیہ۔ ۱۲

جنھیں شغل فقر و سلوک علم و عمل کے علاوہ سخن نوازی اور سخن گستری سے خاص ذوق تھا۔ ہر مہینہ کئی کئی بار باضابطہ اور پرجوش مجلس مشاعرہ بھی برپا ہو جایا کرتی تھی اسکے علاوہ یہاں کے علما کا فیضان کمال اور انوار صحبت بھی محتاج تعارف نہیں، خود حضرت تاج العارفین پیر مجیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا عہد مبارک تھا، ان دل آویز اور روح پرور مشاغل میں حضرت عشق بھی اکثر شریک رہے ہیں، معمول یہ تھا کہ جب پٹنہ سے دلی جاتے تو پھلواری ہوتے ہوئے اور دلی سے پٹنہ کے سفر میں بھی پھلواری ہی آخری منزل قرار پاتی، اسی طرح حضرت تاج العارفین حضرت مخدوم منعم پاکؒ اور حضرت عشق کی خانقاہوں میں اکثر مجالس اعراس تقریبات کے موقعوں پر جلوہ افروز ہوا کرتے تھے، غرض بڑو نکی بڑی بات، بڑا ہی یارانہ اور محفل ربط و خلوص میں دور مے و پیمانہ تھا، اس ربط و خلوص کی زندہ جاوید نشانیاں دو نوجگہ صفحات قرطاس پر محفوظ و یادگار ہیں۔ حضرت عشق کا ریختہ میں دیوان[۱۵] اور فارسی کی چند غزلیں جو انھوں نے حضرت تاج العارفین کو تحفتاً بھیجی تھیں خانقاہ پھلواری کے مہتم بالشان کتبخانہ میں موجود ہیں[۱۵]

۱۵ جسے حضرت شاہ علی حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے مولوی عمر دراز صاحب کی معرفت مولوی ید اللہ مرحوم کے کتبخانہ سے ۱۲۸۱ ہجری میں خرید فرمایا تھا۔ ۱۲

[illegible]

اس زمانہ مین حضرت شاہ آیۃ اللہ شورش، مخدوم شاہ نورالحق طپان حضرت غلام نقشبند سجاد اور شاہ غلام جیلانی سرشار یہان کے صوفی اور خوش گو شعرا مین حیثیت امتیاز رکھتے تھے اور چونکہ حضرت عشق کے مذاق سخن نے یہان کی پاکیزہ صحبتون مین بھی عروج ونشو ونما پائی ہے، اس لئے ان باکمال بزرگون کے کچھ حالات کلام تبرکاً وتیمناً بہ طور نمونہ مشتے از خروارے، اس امید پر پیش کئے جاتے ہین کہ ارباب وطن کو اپنی خاک پاک کے انمول اور بیش بہا جواہرات یا سدابہار پھولون سے مشام جان کو معطر ونکہت آگین بنانے اور قلوب افہام کو لذت جدید اور لطف مزید حاصل کرنے کا سچا حوصلہ اور اشتیاق پیدا ہو،

# شمس العارفین مخدوم شاہ غلام نقشبند سجاد

اسم شریف محمد سجاد ہے جو حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے اشارے سے رکھا گیا۔ عرف غلام نقشبند، خواجہ عمادالدین قلندر کے صاحبزادے اور تاج العارفین پیر مجیب اللہ کے داماد ہین، سنہ ولادت ۱۱۱۹ھ اور سنہ وفات ۱۱۸۴ھ ان حسابون مدت عمر ۶۵ برس ہے۔ تعلیم وتربیت کچھ والد بزرگوار اور کچھ حضرت تاج العارفین سے ہوئی، کہتے ہین کہ آپ کا علم خداداد تھا اسی لئے دن دونی رات چوگنی

ترقی فرماتے رہے ۔ محض اشارات سے مسائل دقیق حل ہوجاتے تھے، آٹھ برس کے سن میں ایک مہتم بالشان مجمع کے سامنے جبر و قدر جیسے نازک مسئلے پر ایسی سحربیانی کی کہ سارا مجمع آپکے تبحر و ہمہ دانی کا معترف ہوگیا ۔ کمالات ظاہری و باطنی کے مفصل تذکرے کو ایک دفتر چاہیئے، مگر مختصر حالات و کمالات حضرت تمنا عمادی، معارف پھلواری نمبر جلد ۲ میں شائع فرماچکے ہیں جو اندازہ کمال کو کافی و وافی ہے
میر تقی میر نے حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے حال میں لکھا ہے ۔ شاعری دون مرتبہ اوست، یہی مقولہ یہاں بھی صادق آتا ہے ۔ شاعری سے شغف خاص نہ تھا، نہ آپکا نام فہرست شعرا میں داخل ہے، صرف تفنن طبع کیلئے کبھی کبھی دو چار شعر کہہ لئے جاتے تھے، مگر کلام میں آمد اور موزونی طبع نے پھر بھی کہ باوجود پختگی پیدا کردی ہے ۔ لذت و درد ۔ تاثیر و ترنم اور تخیل کی بلاغت نے تقاضہ کیا کہ دو چار اشعار آپکے بھی حوالہ قلم ہوں ۔

کلام کا نمونہ منتخب حسب ذیل ہے

## فارسی

من خود رفتم و ہم تسیم از یاد برفت ۔۔ وا کہ آن وعدہ فراموش نہ شد
حسرت ہائے نالہ و افغان کہ سر بالینم ۔۔ ہمہ تن چشم کہ بودہ ہمہ تن گوش نہ شد

## اردو

شب ہجر کسی کی بھلی دن ہجر کسی کا بُرا + یوں ہی دکھایا کرے گردش لیل و نہار
صدقے ترے ساقیا آج لگا دے سبیل + وارد میخانہ ہے زاہد پرہیزگار
ہجر کے دن نامہ بر عاشق غمگین کے ہیں + آہ سحرگاہی و نالۂ شب ہائے تار

آپ الگ ہیں خفا دل ہے جدا بے کہا
آپ ہی ٹک سوچئے کیا کرے سجاؔد زار

# حضرت شاہ نور الحق طپاںؔ

یہ بزرگ حضرت مخدوم شاہ عبدالحق قدس سرہٗ کے بیٹے اور حضرت تاج العارفین پیر مجیب اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں ۱۱۵۱ھ میں رونق افروز عالم نیرنگ تھے، علوم ظاہری کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی پھر ملا وحیدالحق (پھلواروی) ابدال سے بھی تکمیل ہوئی جو ان کے پھوپھا تھے تعلیمات علوم باطنیہ کی تکمیل اپنے جد امجد حضرت تاج العارفین سے فرمایا۔

شمس العارفین مخدوم شاہ غلام نقشبند کے فاتحہ چہارم کے موقع پر حضرت تاج العارفین نے آپ کو تمام طرق و سلاسل کی اجازت عامہ دیکر سجادہ نشین

متمکن فرمایا۔ آپکے منازل سلوک و عرفان کی رفعت کا اندازہ صرف اسی امر سے کیا جا سکتا ہے کہ آپ عظیم آباد کی قطبیت کیساتھ خدمت ابدالیت بھی انجام دیا کرتے تھے ۔

مشاغل فقر و سلوک، علم و عمل کیساتھ شعر و شاعری کا مذاق بھی نہایت اعلیٰ تھا۔ یہ دولت بھی قدرت نے فطرت میں ودیعت کی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس فن میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا اور بڑے بڑے اکابر فن اور مشاہیر وقت آپ کا وقار خاص کرتے تھے،

شیخ علی حزین جیسے خود دار اور بے لوث شاعر نے بھی آپکے عنفوان شباب کا کلام پڑھکر لکھا تھا،

"ہمانا کہ کلام خوب است، و برخے ازاں مرغوب، اما بوئے پیرزادگی می آید"

آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ دو کلیات ضخیم۔ مختلف رسائل دعا و نذور کے کلیات وغیرہ آپکے فیضان قلم کی یادگار ہیں۔ کلام اردو فارسی کا منتخب نمونہ حسب ذیل ہے،

## فارسی

کشیدم از رگ جاں مسطر اوراق پریشانی  رقم کردم ز خون دیدہ بسم اللہ دیوانی

برمن آسان است ہر جور و جفا برداشتن ٭ لیک دشوار است از کوئے تو پا برداشتن

قصہ یاد من نہ می دانم ٭ بے زبانم سخن نمی دانم

خواہی برائے ہر شکن زلف گروے ٭ برگیر تیغ و ساز زیک دل ہزار دل

## رباعیات

پیدا کم اگر گناہ کردم نہ کردم ٭ بر روئے بتان نگاہ کردم کردم

چون عفو خدا دست کشاید بے حساب ٭ من نامہ اگر سیاہ کردم کردم

---

آن یار کہ او را بہ جہان می جستم ٭ حسرت بشنو از جہد بیان گو جستم

والے بہ یقین عمر تا شد کردہ من ٭ خود بود ہمہ وز تو نشان می جستم

## اردو

عقل والوں سے جو سنتا ہوں فسانہ تیرا ٭ بیخودی میں ہے جو کہتا ہوں دوانہ تیرا

اسی مضمون کو حضرت شاد نے بھی نظم فرمایا ہے۔

کہتے ہیں اہل ہوش جو افسانہ آپ کا ٭ کہتا ہوں اور سنتا ہوں دیوانہ آپ کا

ان غزلوں کے اور اشعار بھی ہیں مگر اس وقت افسوس کہ نہ مل سکے۔ مرثیہ گوئی سے بھی شوق تھا چنانچہ ایک بیاض ضخیم اردو مراثی کی موجود ہے۔

دو شعر ملاحظہ ہوں ۔

افسانۂ الم ہے خاموش اے طپاں ؔ ٭ آنسو کا سیل جو رون کی چشم سے عیاں ہے

کیا ہے عجب کہ جنت مین نالہ و فغاں ہو ٭ یہ غم ہے وہ کہ ندہرا جس غم مین خون فشاں ہے

# شاہ آیت اللہ شورش

آپ قطب العالم مولانا شاہ محمد مخدوم کے فرزند و جانشین و خلیفہ ہین، حضرت غوث الثقلین سے جزئیت فرزندی کا شرف حاصل ہے، کتب درسیہ اپنے والد ماجد سے پڑھی، پھر علامہ محدث ملا محمد وحید الحق سے رجوع کیا۔ یہ حضرت مخدوم کے چھوٹے بھائی تھے، تحصیل علوم باطن کے شوق و ذوق نے علوم ظاہری کی تکمیل سے باز رکھا، مگر تفسیر و حدیث فقہ و فرائض مین واقفیت تامہ حاصل کر لی تھی۔ پھر والد بزرگوار حضرت مخدوم کی ترغیب نے بھی تحصیل باطن کی طرف بہت جلد متوجہ کر دیا۔ طریقہ قادریہ قمیصیہ مین بیعت ہوئی، اور تھوڑے ہی دنوں مین مقامات سلوک طے کر کے حضرت مخدوم کی طرف سے ہدایت و ارشاد کے مجاز ہوئے اور ۱۲۳۳ھ؁ مین اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ان کے جانشین قرار پائے پھلواری اور دیگر اضلاع بہار کے بہتیرے طالبین حق آپ کی خدمت مین حاضر

رہے جن میں سے مندرجہ ذیل خلفا و مریدین ممتاز ہیں۔

حضرت شاہ وارث علی کاکوری (مرید و خلیفہ) — حضرت مفتی غلام مخدوم ثروت

حضرت شاہ امان علی ترقی — حضرت صاحب نفس مطمئنہ شاہ غلام شبلی (خلیفۃ الصدیق)

آپکے واسطے سے طریقہ محمدیہ کو بہت رواج ہوا، صاحب کشف و کرامات ایسے تھے جن کے ذکر کو ایک دفتر چاہیئے۔

ذاق شاعری بہت اعلی تھا۔ شعرائے حاضر میں آپ کو امتیاز خاص حاصل تھا، موزونیت طبیعت مقبولیت کلام کی رہنما تھی۔ یہ صحیح معلوم نہ ہو سکا کہ شرف تلمذ بھی کسی سے حاصل تھا یا نہیں، بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ خواجہ میر درد سے اکثر دوستانہ مراسلت رہتی تھی،

شیخ حزین اور صائب کا رنگ بہت پسند تھا اور انھیں کی کامیابی کے ساتھ پیروی کی گئی ہے، زبان ریختہ اور فارسی دونوں میں شعر کہا کرتے۔ فارسی میں، شورش تخلص تھا اور اردو میں جوہر، مگر اردو کا کلام تقریبًا نایاب ہے، فارسی کا دیوان جو مختلف اصناف سخن کو شامل ہے موجود و مکمل ہے، نمونہ کلام حسب ذیل ہے،

## غزل

گر نہ شد چشم بتان گردش جام است این جا + غیر ازین بادہ، دگر بادہ حرام است این جا

صبح دیگر نہ بود، در فلکم غیرِ رخت　　وز سوائے سرِ گیسوئے تو شام است اینجا

---

شب غنچہ سر بہ جیب تحیر کشیدہ بود　　وصفِ دہانِ تنگِ تو گویا شنیدہ بود
جستم بسے ولیک از و کس نشاں نہ داد　　مارا خبر کنید خدا را کہ دیدہ بود

---

صد پارہ اگر دل شود و خون رود از دل　　ممکن نہ بود یادِ تو بیرون رود از دل
در سیرِ دلِ شوریدہ کہ منزل کند عشقت　　لیلیٰ رود از خاطر و مجنون رود از دل
گریند ملائک ہمہ بر حالتِ شورش　　گر نیم شبے آہ بہ گردون رود از دل

---

دل وارستہ دارد سوز و دود دل طپیدنہا　　بہ رنگِ برق دادہ ہر قدم از خود رمیدنہا
مرادِ شورشِ آرد معزز شوخ علی شورش　　چکیدنہا، طپیدنہا، رمیدنہا، دویدنہا

---

رباعی

رخسارِ ترا گلشنِ کشمیر نوشتم　　گیسوئے ترا حلقۂ زنجیر نوشتم
اوصافِ کمانِ ابرویش را شورش　　بر صفحۂ دل از قلمِ تیر نوشتم

# مرشد آباد

### میں

# حضرت عشق کے ہمعصر شعرا

حضرت عشق کے زمانہ مین مرشد آباد اور عظیم آباد کی تعلقات نہایت وسیع اور [illegible]
اکثر شعرا جو دلی کی ویرانی کے بعد اس صوبہ مین آئے ان کی قدر و منزلت انہین
دو شہروں مین زیادہ ہوئی ہے اور اسی لئے ان دونون شہرون کو مرکزیت حاصل ہے
عظیم آباد کے اکثر شعرا اور حکام سرکار مرشد آباد مین برسر اقتدار تھے۔ جن مین
خواجہ محمدی خان اور نواب [illegible] [illegible] خان فضل [illegible] زمانہ کے
سرمایہ امان اور مربیان فن مین ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ ان اکثر شعرا او کاملین
فن نے انکی بدولت سرکار مرشد آباد مین رسائی پائی اور چونکہ حضرت عشق بھی
عنفوان شباب ہی مین اپنے تلامذہ کیساتھ خواجہ محمدی خان کے ساتھ وہین
اور ہین کے مذاق شاعری کو بھی سب سے پہلے یہین کے شعرا کی صحبتوں مین عروج
اور نشوونما ہوا ہے اس مناسبت سے اس سلسلہ مین مرشد آباد کے دو چار اساتذہ
کے کلام مختصر حالات کے ساتھ لکھے جاتے ہین۔

# شاہ قدرت اللہ قدرت

مرشد آباد کے شعرا میں سب سے زیادہ ممتاز اور باکمال بزرگ یہی ہیں،

میر شمس الدین فقیر کے عزیز اور متوسل تھے، دلی تو مدتوں پہلے چھوٹ چکی تھی، مگر مرشد آباد آتے ہی بڑی حرمت اور عزت سے رہنے لگے تمام اہل تذکرہ لکھتے ہیں کہ شہر کے اکابر اور اعزہ ان کا احترام خاص کرتے تھے میر حسن لکھتے ہیں کہ لکھنؤ کے ایک مشاعرہ میں مجھے ان سے ملنے کا اتفاق ہوا، آدمی درویش خصلت اور صاحب اخلاق تھے شاعری میں انکا بڑا شہرہ ہے، الفاظ کی نشست اور معنی کی ندرت میں کمال رکھتے ہیں، نواب علی ابراہیم خاں خلیل سے بھی یارانہ تھا، مرزا علی لطف نے بھی لکھا ہے کہ ان قادر الکلام کے کلیات میں ہر مذاق اور ہر قسم کے اشعار بکثرت موجود ہیں تصنیف و صنائع مقبول مرزا علی لطف سنہ ۱۲۰۵ھ ہے،

کلام کی سلاست و شستگی درد و الم اور وارفتگی و برشتگی تعریف سے مستغنی ہے ریختہ کے علاوہ فارسی کے بھی خوش گو شاعر تھے، جس کی تصریح ابراہیم خان خلیل جیسے مستند ادیب و مورخ کے ایک جملہ "شعر فارسی و ریختہ می گوید،، سے ہوتی ہے،

کلام کا منتخب نمونہ حسب ذیل ہے،

کس کی نیرنگی ہے شمع پردۂ فانوس ہے — جو شرر دل سے اٹھا سو جلوۂ طاؤس ہے
ایک ہی پردہ کی گر سمجھو تو یہ سب الاپ — گر صدائے بانگ ہے یا نغمۂ ناقوس ہے
صبر و طاقت تو کبھی سے کوچ یاں کر گئے — اب وداعِ ننگ ہے اور رخصتِ ناموس ہے

---

ہے نالہ شام آتش و آہ سحر آتش — کیا زیست ہو اپنی ادھر آتش اُدھر آتش
جز داغ تدارک نہیں اس داغ جگر کا — آتش کے جلے کو نہ کرے یہ جگر آتش

---

زخم پہلو نے نہ پائی رہ دل ناکام تک — حیف پہنچا ہے نہ اپنا کار شوق انجام تک
صبح کے ہوتے ہی ٹوٹے جس کی یہ حالت تباہ — آہ وہ بیچارہ پھر جیے گا کیونکر شام تک
ہم نہ کہتے تھے کہ قدرت مت چمن کی راہ چل — لے گئی آخر ہوائے گل شکنجِ دام تک

---

نہ جا اس رسم سے ہرگز جھٹک مت میرے داماں کو — نہ دے برباد اے ظالم غبارِ خاکساراں کو
ہوا دست جنوں سے تار تار اس درجہ پیراہن، — گریباں ڈھونڈھتے ہو دامن کو اور دامن گریباں کو

---

سیرِ چمن کی فرصت اے بلبلو کہاں ہے　　جو گل نظر پڑے ہے سو غارتِ خزاں ہے

---

اہلِ عدم کو رمزِ فنا کا تھا کب شعور　　سرمشقِ رفتگاں مرا لوحِ مزار تھا

---

آگ اس داغ کو لگیو جو نمک سو ہیں　　پھوٹے وہ آنکھ جو لختِ جگر آلود نہیں

---

جوں نقشِ قدم ہیں تیرے وہ خاک نشیں ہم　　تا مٹ نہ چکیں آپ چھوڑیں نہ زمیں ہم
نسبت ہے ہماری تری جوں سایہ و خورشید　　جس جا نہیں تو ہم ہیں جہاں تو ہے نہیں ہم

---

سینہ اس کا ہے دل اس کا ہے جگر اس کا ہے　　تیر بیداد جدھر رخ کرے گھر اس کا ہے

---

# شیخ فرحت اللہ فرحت

شیخ فرحت اللہ نام، فرحت تخلص، شیخ اسد اللہ کے بیٹے اور قاضی مظہر کی اولاد میں ہیں جو میرزا شاہ بدیع الدین مدار کے جانشین تھے ان کے بزرگوں کا وطن ماوراء النہر ہے۔ پرورش اور تربیت دلی میں ہوئی، بچپن کا یادگار زمانہ اسی چمن کی سیر میں گذرا کبھی پھولوں کی نکہت سے مشام جان کو معطر کیا، کبھی بلبلوں کے نالوں سے سُر ملائے، غرض امنگوں کے دن اور حسن و عشق کے مشغلے ہنستے کھیلتے اور دیکھتے ہی دیکھتے نکل گئے، جب دلی پھولوں کا چمن نہ رہی خار و خس کا بیابان ہو گئی انہوں نے بھی در و دیوار پر حسرت نظر [illegible] والوں کا ساتھ دیا مرشد آباد پہونچے، یہاں انکی قسمتوں کو نہیں شعر و سخن کا عروج ہوا [illegible] اور سخن [illegible] ہے اور جدت مضامین زور نظم تک [illegible] صوفیانہ شاعری کی آبیاری میں خون دل صرف کیا، جس کی تفصیل [illegible] میں ملتی ہے،

میر ملک علی ابراہیم خان سے بھی یارانہ تھا اور انہیں کی قدردانیوں نے ان کے حوصلے بڑھائے،

مرزا علی لطف نے گلشن ہند میں خوب لکھا ہے کہ یہ شاعر عشق [illegible] دلی

مشہور شعرا کا ہم صحبت و ہم طرح ہے،

میر حسن نے بھی ان کی پرگوئی تسلیم کی ہے صاحب گلزار ابراہیم لکھتے ہیں،

"شاعر کہنہ مشق و صاحب دیوان دادراک صحبت شعرائے دہلی نمودہ"

شعر الہند نے بھی ان کا ذکر امتیاز خاص کیساتھ کیا ہے، غرض تمام قدیم و جدید مشہور تذکرے انکے بیحد مداح اور قدر دان ہیں، اُردو کی صوفیانہ شاعری کے ذخیرہ میں ان کا حصّہ بہت گراں ہے، ان کا کلام اساتذہ نے بڑی وقعتوں سے دیکھا ہے، خود ہمارے حضرت عشق کو ان کا رنگ بیحد پسند ہے جس کا ثبوت وہ اشعار ہیں جن میں عشق نے فرحت کے مصرعوں پر مصرعے لگائے ہیں،

الاسماء تنزل من السماء دانایان عرب کا مقولہ ہے عجم والے بھی اس کے معتقد ہیں مگر ہمیں اسکے خلاف بھی ایک مثال ملتی ہے شیخ صاحب کا نام اور تخلص دونوں فرحت ہے، مگر زندگی کبھی فرحت سے بسر نہ ہوئی ہمیشہ عسرت ہی عسرت رہی ۱۱۹۱ھ میں مرشد آباد ہی میں وصال ہوا، انکے کلام کا ذخیرہ بہت وسیع تھا، کلام سے مشق سخن رنگینی طبیعت اور زور قلم ٹپکا پڑتا ہے میر حسن کی نظر انتخاب سب سے تیز ہے انہوں نے جسطرح میر صاحب کا کلام میر سے بہتر منتخب کیا ہے اسی طرح شاہ فرحت کا کلام میرزا علی لطف سے بڑھ چڑھ کر انتخاب کیا ہے

صوفیانہ اور عاشقانہ کلام کا نمونہ حسب ذیل ہے،

زندگی مین تو ہے صدمہ دل غمناک پر　　بعد میرے دیکھئے کیا ہو قیامت خاک پر

---

گذرے اگر چمن مین وہ گل عذار اپنا　　دین چھوڑ بے کلی سی گل شاخسار اپنا
تاثیر آہ مین نے نالہ مین ہے اثر کچھ　　ہووے وہ آہ یارب کس طرح یار اپنا
جائے کہین بھڑک مت آتش سو دل کی میرے　　رکھ وہ مجھ سے دامن اُسے کو ہسار اپنا
اس شوخ نے یہ پوچھا فرقت سے کل کہ تو نے　　اسطرح کیون گنوایا صبر و قرار اپنا
آنکھو مین اشک بھر کر بولا نہ پوچھ ظالم　　ہرگز نہین ہے دل پر کچھ اختیار اپنا

---

ہر گھڑی جی مین مرے جلوہ قدوسی ہے　　طور سینہ ہے میرا اور یہ جی موسی ہے
آہ یہ کون سی ہے راہ کہ در پیش نظر　　ہر قدم منزل مقصود سے مایوسی ہے

---

اس چشم سے کب ابر تنک مایہ بر آئے　　دریا کے تئین موج سے جس کی حذر آئے

---

قدم شمردہ رکھون کیون نہ خار و خس اوپر　　میری نگاہ کو پاس ظہور ہے تیرا

---

# ذکر تلامذہ

شاگردون کی اصلاح و تربیت مذاق شاعر کے کمال استادی کی زبردست دلیل ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ دو چار اچھے بُرے اشعار کہہ لینا، اتنا مشکل نہین جس قدر اپنی رہ نمائی سے چند خوش گو شعرا کا اضافہ کر دینا حضرت عشق جس طرح خود یادگار اور قابل قدر ہین ویسی ہی ان کے تلامذہ بھی نام آور اور مشاہیر سلف مین داخل ہین، خود عشق کے زمانے مین اُن کی قدر و منزلت استادون کی طرح ہوئی جیسا کہ اکثر تذکرون سے ظاہر ہے، حلقۂ تلامذہ بہت وسیع تھا مگر افسوس ہے کہ استداد زمانہ کے ہاتھون ہمین تین بزرگون سے زیادہ کے نام بھی معلوم نہ ہو سکے بہرکیف جو مل گئے ہین انھین آپ سے بھی ملا دیتا ہون :-

## مرزا غلام حسین فدوی

### وقائع نویس احمد شاہ بادشاہ دہلی

مرزا فدوی، جوانے ہست از مستعدان زمانہ، در مثل و محاورات ہندی یگانہ سخنش را مذاق عالی در وانش را نظم متوالی، مقبول انام، خوش طبع و شیرین کلام مولدش از شاہ جہاں آباد ہست، از شاگردان شاہ رکن الدین عشق دام افضالہ دیوان اوائل را بہ آب شستہ بعد ازاں خوب تر گفتہ، بہرۂ از علم موسیقی نیز حاصل کردہ

دردمند است و عاشق مزاج، در یکجا قرار نمی گیرد با فقیر حاضر و غائب دوستی دارد

### تذکرہ میر حسن

به وقائع نویسی احمد شاہ بادشاہ دہلی مامور بود، آخر الامر به عظیم آباد سکونت کرده، و استصلاح سخن از شاہ رکن الدین عشق نمود، شنود در سر داشت عاقبۃ الامر خود را به دامن یکے از صاحب دلان آویخت۔

### گلشن بےخار

نظم ریختہ میں استاد ہے، دل درد آشنا رکھتا ہے اور تلاش معنی میں فکر رسا حسن بیان میں یکتا ہے۔

### گلشن ہند

مرزا فدوی، جوانے بدرد آشنا، و ذہنش در فکر ریختہ رسا۔

### گلزار ابراہیم

مرزا غلام حسین نام، فدوی تخلص، عرف مرزا بھچو دلی کے رہنے والے اور حضرت عشق کے شاگردوں اور مریدوں میں ہیں، مگر انصاف یہ ہے کہ حضرت عشق کو بھی ان کی استادی پر فخر ہوگا کیونکہ یہ شاگرد جا کے خود استاد ہو گئے اور دہلی کے اساتذہ میں کسی سے ان کا پایہ کم نہیں، اور شاعری کیلئے جو خصوصیات

قابلیتین جاہئین خدانے ان کے دل و دماغ مین کوٹ کوٹ کر بھری تھین، فنون لطیفہ
مین موسیقی و ستارہ نوازی مین کمال حاصل کیا تھا،

دل درد آشنا، ذہن رسا، طبیعت موزون، مذاق اعلی، فارسی عربی
دانی کا یہ حال کہ احمد شاہ کے وقایع نویس رہے، ہندی مین یہ مہارت کہ
میر حسن یگانہ کہی مشق کا یہ عالم کہ پہلے دیوان کو دریا برد کیا، اس کے بعد
نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول کی بنا پر دوسرا کہا اور لاجواب کہا، تمام اہل نظر
کی رائے ہے کہ ان کے کلام مین جو دل آویزی تاثیر ترنم اور لطف ہے بڑے
بڑے اساتذہ کو میسر نہین، عاشقی مزاجی کی بھی انتہا کر دی تھی، مگر مجاز سے
حقیقت کی طرف آئے اور خوب آئے، اور یہ حضرت عشق ہی جذب تھا جس نے
عشق مجازی کے خارزار اور خطرناک منزل سے نکال کر حقیقت کے
چمنستان سرمدی مین پہونچا دیا، حضرت عشق کے ساتھ ۱۱۶۲ھ مین عظیم آباد آئے
اور پھر یہین کے ہو رہے۔ یہان شعر و سخن اور ریاضت و مجاہدہ کے سوا کوئی
مشغلہ نہ تھا، تاریخی حوالات سے ظاہر ہے کہ دنیائے شاعری مین کیا
مقبولیت عام رکھتے تھے، مسلمانون کے علاوہ نگر سیٹھ اور بہتیرے ہندو
بھی قدردان تھے۔ ان کے شاگردون کے نام بھی اکثر تذکرون مین ملتے ہین

تذکرہ سخن شعرا کے علاوہ بعض مستند تحریرون سے معلوم ہوتا ہے کہ اسیح مرحوم نے
ان سے بھی مشق سخن کی تھی، تفصیل کا مقام نہین ورنہ ان کا ذکر بھی ذکر
حبیب ہے کم دل آویز نہین، کسی دوسری فرصت کی اجازت چاہتا ہون،
اسوقت ان کے کچھ اشعار سنئے، وہ اشعار جو روز سننے مین نہیں آتے
جن کے لئے دل مشتاق اور آنکھیں بے چین رہتی ہین سچ ہے کہ آدمی اگر
شعر کہے تو ایسے ہی ورنہ نہیق خر کجا نغمہ کہان مرغ خوش الحان کا دیوان
نایاب ہے، مختلف تذکرون سے چند گلہائے تازہ بہ تازہ ہاتھ لگے، یاران
نکتہ سنج کی ضیافت کے لئے ایک گلدستہ زیبا ہوگیا، جو ذوق و خلوص
کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے،

## کلام فدوی

کس نے دلائی یاد مجھے آہ سرد پھر     کیسی ہوا چلی کہ اٹھا دل مین درد پھر

خلقت کاٹے ہے رات سو کر     اک ہم ہین کر بتا ہین صبح رو کر

کیون کی ادھر نگاہ نہ وہ مجھکو پا گیا     دل پر ہوئی جو ہونی تھی آنکھون کا کیا گیا

بیگانگی ہے یا نہین تجھ سے کسی طرح     ہم ہر طرح ترے ہین سمجھ تو کسی طرح

پھرتے تھے تم تو آنکھ بچائے چھپے چھپے     نکلا کہ حسرت پیا نہ ہوا سے چھپے چھپے

اس مطلع کا دوسرا مصرع ساری دنیا مین مشہور ہے، مگر شعر کے ساتھ شاعر کا پتہ نہ تھا،

چل ساتھ کہ حسرت دل محروم سے نکلے عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

---

ساقی بنا کے اب کے بھی تو نے بہار کو محروم ہی رکھا دل امیدوار کو

حکمت سے عین طبع مکدر کو جام مے پانی بجھا ہی دیوے ہے آخر غبار کو

پڑ جائین مثل شیشۂ مے آبلے ابھی رو کر اگر نہ دل کے نکالون بخار کو

فدوی مرا یہی کام ہے روز اٹھ کے جس طرح رکھتا ہون تھام تھام دل بے قرار کو

---

کس دل جلے کی تیرے تئیں بد دعا لگی اے شمع اب تو آہ ترے سر پہ آ لگی

بندے کی بندگی کا کسی کو یقین نہین پیارے خدا کے واسطے بول اٹھ خدا لگی

---

مین اپنی جان تلک حاضر ہون، پر تو اس کو کیا جانے مرے دل مین تو یہ کچھ ہے ترے دل کی خدا جانے

ہمین تو عین راحت ہے تری جو کچھ عنایت ہے گرفتار جفا ہووے جفا کو جو جفا جانے

کون اُسے یہ کہہ سکے کیون قتل عالم کو کیا کیا کسی کا ڈر پڑا ہے جی مین آیا سو کیا

گلا آپس مین آگے بھی کبھو تھا　　تکلف برطرف ایسا ہی تو تھا

ملے وہ غیرون سے ہو در دش جا، ہمین کب آتا ہے رشک اس کا
یہ چلتی پھرتی ہے چھاؤن فدوی کبھی ادھر ہے کبھی ادھر ہے

---

چند رباعیان بھی سن لیجیے رباعی بھی خوب کہتے ہیں اور فن کی حیثیت رباعی کے بہترین نمونے ہین ،

رباعی

یارو ملے اب کوئی کسی سے کس طور ملے　　منصف ہو ذرا دل مین کرو اپنے غور
جون آئینہ کب تلک یہ خاطر داری　　منہ پر کچھ اور پیٹھ پیچھے کچھ اور

رباعی

کیا ملئے یہ آشنا گھڑی کے ہو ان گے　　آخر دشمن پھر اپنے جی کے ہو ان گے
ان سنگدلون سے کیا توقع فدوی　　یہ کس کے ہوئے ہین جو کسی کے ہو ان گے

# خواجہ محترم علی خان محترم

انہیں بھی حضرت عشق سے فخر تلمذ حاصل تھا، مصطفےٰ خان شیفتہ نے
گلشن بیخار میں اور میر حسنؔ نے تذکرہ شعرائے اردو میں ان کا ذکر بڑے احترام
اور خلوص ذوق سے کیا ہے، خواجہ محمدی خاں رسالہ دار نواب قاسم علی خاں
بنگال، کے بھائی ہیں، خواجہ صاحب کی زندگی تک مرشد آباد رہے۔ پھر
عظیم آباد چلے آئے جو وطن مالوف تھا، اور بقیہ عمر بارگاہ عشق میں بسر کر دی۔
عظیم آباد میں یہ خاندان اپنی وجاہت و عظمت کیلئے ہمیشہ ممتاز رہا،
مذاق شاعری سب بھائیوں کو تھا مگر انکی طبیعت موزون تھی اور طرز کلام
سب سے زیادہ موثر شاگرد کے کلام میں استاد کا رنگ پورا پورا جھلکتا ہے
خیالات سلجھے ہوئے نظم ہوتے ہیں زبان میں سادگی اور ترنم ہے۔ کلام میں درد ہے،
اور درد میں تاثیر۔ +

پیغام تو جنون کے آنے لگے ہیں مجھ تک — شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے
آہ ہم سیر کو کہاں جائیں — یار بن سونی ہیں سبھی جائیں
جو دل سے گرا اہل دلوں کی وہ کدھر کا — دنیا کا نہ دین کا نہ ادھر کا نہ ادھر کا
اے محترم اتنی اشک باری — کھل جائے ہے ابر بھی برس کر

ان کا ایک قطعہ بھی یادگار ہے،

محترم کیا بیاں کروں تجھ سے — اس دل داغدار کی صورت
خون ہو کر سرشک بہتا ہے — اس میں ہوتی ہے یار کی صورت
پوچھو اس کو اگر میں دامن سے — شکل پکڑے نگار کی صورت
یعنی مٹتی نہیں ہے آنکھوں سے — ہائے رے ہائے یار کی صورت

## خواجہ علی اعظم خان عاشق

خواجہ محترم علی خان موصوف الصدر کے برادر محترم ہیں، حضرت عشق کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی، کہتے ہیں کہ آخر عمر میں ترک دنیا کر کے اوقات عزیز صرف یاد خدا میں بسر فرماتے تھے۔ شغل سخن سے زیادہ سروکار نہ رکھتا تھا پھر بھی کلام میں سوز و گداز اور وارفتگی کے ساتھ پختگی و روانی بھی پیدا ہو چلی تھی۔

نمونہ کلام حسب ذیل ہے

شمع کی طرح کون رو جانے — جس کے دل کو لگی ہو سو جانے

---

روز و شب یار سے ملا کیجیے — چین اس بن نہ ہو تو کیا کیجیے
جتنے جور و ستم ہیں تو کر دیکھ — یہ نہ ہوگا کہ کچھ گلا کیجیے

---

# شاگردی کی بحث

حضرت عشق کو شرف تلمذ کس سے حاصل تھا، یہ ایک پیچیدہ اور دقت طلب سوال ہے، تلاش و جستجو سے گریز نہین نہ روایات کی کمی، لیکن اس باب خاص مین بھی بعض ارباب قلم کو قلت مواد کے باعث مغالطہ ہوا ہے، اختلاف روایات کا حوالہ پہلے پیش کرتا ہون، پھر اپنی ذاتی رائے بھی عرض کرون گا،

(۱) شاد مرحوم نے تاریخ بہار مین لکھا ہے،

شیخ صاحب (راسخ) کے شاگرد تھے

(۲) پھر حیات فریاد مین فرماتے ہین،

بعض تذکرہ مین لکھا ہے کہ میر صاحب کے شاگرد تھے، لیکن مین نے اپنے بزرگون کی زبان سے سنا ہے کہ وہ شیخ غلام علی راسخ کے شاگرد تھے۔

(۳) ایک بزرگ حوالہ قلم فرما گئے ہین کہ ان کو حضرت میرزا مظہر جان جانان سے شرف تلمذ حاصل تھا، بعض ارباب نظر کا خیال ہے کہ وہ شاہ فرحت اللہ فرحت کے شاگرد تھے،

روایتین تو اتنی ہین مگر افسوس کسی کو رتبہ استناد حاصل نہین ہوتا، راسخ کی

شاگردی تو قطعاً ناممکن ہے اس لئے کہ ۱۱۶۲ھ میں جب حضرت عشق مرشد آباد سے اپنے تلامذہ اور دیوان کیساتھ عظیم آباد تشریف لائے ہین اُسی سال شیخ صاحب اس عالم نیرنگ مین جلوہ افروز ہوئے اس لئے یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک استاد جو خود صاحب تلامذہ ہو ایک طفل نوزائیدہ کے آگے زانوئے ادب تہ کرے، اس کے علاوہ اکثر مستند تذکرے لکھتے ہین کہ راسخ مرزا فدوی کے شاگرد تھے جو حضرت عشق کے تلامذۂ ارشد مین ہین، اس لحاظ سے بھی یہ ایک امر محال معلوم ہوتا ہے کہ ایک استاد اپنے کسی شاگرد کے شاگرد سے اصلاح سخن کرے،

حضرت میرزا مظہر جان جانان کے صاحب دیوان شاگردون کی جو فہرست مشہور تذکرون میں ملتی ہے اس مین آپ کا ذکر خیر کہین نہین، اگر عشق کو میرزا صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوتا تو تذکرہ نویس آپ جیسے باکمال اور صاحب دیوان جیسے تلمیذ رشید کو نہ چھوڑتے ❖

میر تقی کی شاگردی بھی کسی تذکرے سے ثابت نہین، مین نے اس تالیف ناچیز مین جتنے قلمی اور مطبوعہ تذکرون سے استفادہ کیا ہے ان مین سے کسی مین اس کا ذکر نہین، کاش حضرت شاد اُس تذکرے کا نام درج فرما دیتے تو اس روایت کی تحقیق مین مدد مل سکتی، مگر خود انہین اس نامعلوم تذکرہ کی

روایت پر اعتماد نہ تھا، اس لئے کہ آگے چل کر فرماتے ہین لیکن مین نے اپنے بزرگون سے سُنا کہ وہ راسخ کے شاگردون مین تھے، اس موقع پر یہ ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود راسخ کو حضرت عشق سے اتنا اعتقاد اور وابستگی تھی جس کا اظہار غزلون مین ہوا ہے، راسخ کے کلام مین شراب عشق کا کیف خمار جو لذت افزا اور شور انگیز ہے محتاج بیان نہین یہ شراب بھی اسی میخانہ عشق مین دو آتشہ ہوتی ہے، شیخ مرحوم فرماتے ہین،

بلد عشق کو کر کہ منزل رسا ہے — تو پیر دہواس سر درہ تھا کا
ارادت کی نسبت ہے راسخ کو اس سے — شرف جو ہو زمرۂ اولیا کا

شیخ فرحت اللہ فرحت کا رنگ سخن حضرت عشق کو بیحد پسند تھا اس کے ثبوت مین وہ اشعار پیش کئے جا سکتے ہین جس مین عشق نے فرحت کے مصرعون پر مصرعے لگائے ہین لیکن اس سے شاگردی اور استادی لازم نہین آتی اسلئے کہ اگر فرحت سے عشقؔ نے کچھ مشورۂ سخن کیا ہوتا تو نواب علی ابراہیم خان خلیل صاحب تذکرۂ گلزار ابراہیم اس کے ذکر سے کبھی باز نہ آتے کیون کہ انہون نے ان دونوں بزرگوں کا فیضان صحبت مرشد آباد و عظیم آباد مین اٹھایا ہے، اسکے علاوہ عشق کو خواجہ میر دردؔ

کا رنگ بھی بہت پسند تھا اور آپنے اپنے اشعار مین بھی اس کا اظہار فرمایا ہے
خلاصۂ کلام ہے کہ عشق کا مذاق سخن فطرتی تھا جو تاریخی شہادتون سے
ثابت ہے، اس لئے آپنے کسی کی باضابطہ شاگردی حاصل نہ کی، ہو سکتا ہے
کہ ابتدائے فکر مین کسی سے کبھی مشورۂ سخن فرمایا ہو، ورنہ یہ بھی ناممکن
نہین کہ موزونیت طبیعت اور مذاق فطری نے ہمیشہ کے لئے اس سے
بے نیاز رکھا،،

# حضرت عشق کا کمال سخن

## علمی حیثیت سے

## اور ایک نکتۂ لطیف

قدما کا دور ثانی جس مین میرزا مظہر جان جانان، میرزا رفیع سودا
میر تقی میر خواجہ میر درد میر سوز اشرف علی خان فغان اور میر ضیاء وغیرہ
کو جگہ ملی ہے، انکی خصوصیات کلام کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

(۱)

زبان کی صفائی اور صحت مین سعی بلیغ مثلاً ایسے الفاظ و روابط

ترک جو بالکل نامانوس اور ناپسندیدہ ہین مگر ولی دکنی اور اُن کے ہمعصر شعرا نے بلاتکلف استعمال کیا چنانچہ تاریخ شعرائے اُردو مین شاہ مبارک آبرو کے حال مین لکھا ہے[۱]،

"مگر استعمال کرنا الفاظ مکروہ کا اور نہ پروانہ کرنا باریک باتون کا یعنی جائز رکھنا قافیہ سین وصاد کا اُس کے کلام سے دریافت ہوتا، اور نہ صرف اُس کے کلام سے بلکہ اُس کے ہم عہدون کے کلام مین اس سے زیادہ"

(۲)

فارسی عربی کی لطیف ترکیبون اور محاورات کی رنگ آمیزی خصوصیت کیساتھ مندرجہ ذیل محاورات جو نہایت ہی دل کش دل آویز اور ہر طرح قابل پسند ہین مثلاً خندۂ گل، تردامن، سرو آزاد، نرگس شہلا، داغ جنون، طفل اشک، گوش گل، اشک بار، برآوردن، دل دادن دل از دست رفتن، بہ گوش گفتن وغیرہ،

ایسے ایسے سیکڑوں الفاظ و تراکیب ہین جنھین اُردو مین ایسی خوش سلیقگی اور بے تکلفی سے کھپا دیا ہے کہ کہین جوڑ پیوند یا عجیب غریب معلوم نہین ہوتا اور نہ زبان کی گھلاوٹ یا سلاست مین کہین سرِمو فرق آتا ہے،

[۱] تاریخ شعرائے اردو ص ۳۵ [illegible]

# انتباہ

افسوس ہے کہ اس نکتہ کو ہمارے بعض ہمعصر شعرا نے نہ سمجھا اور شوکت
الفاظ جدت تراکیب نہیں بلکہ بسا اوقات محض زور لغات دکھانے کو ایسی
ایسی عجیب و غریب ترکیبیں ایجاد کر ڈالیں اور اس کے اثر سے عربی و فارسی کے
بڑے بڑے الفاظ اس کثرت سے مستعمل ہو گئے کہ زبان کی شکل مہیب، بھیانک
اور وحشت انگیز ہو گئی، مثلاً

نظارۂ گریاں، منطقۂ باصرہ گداز، ریگستان تمنا، کوہستان نزاکت
غبار زار منفعل فضا، تفرعات - انگلستان وصال، زابلستان انشا نوازی
جمود جاذبیت وغیرہ لیکن ابھی تو یہ جدت شوق و ذوق کی حد تک ہے
مگر جب اس میں غلو یا جنون پیدا ہو جائے گا تو شعر کی یہ سطوت ظاہری
ایسی ہیبت سے بدل جائیگی کہ سنجیدہ مذاق والوں کو ان کے شعر پڑھنا
اور سمجھنا تو درکنار انھیں نظر بھر کر دیکھنا بھی دشوار ہو جائے گا کیونکہ
کم و بیش ان کی یہ شان رہیگی ؎

ارتعاش روح ضبط ارتسام خود طراز — انقباض روح ہے یا صنعت پیکر نواز
رستخیز انگیز ہے آل فتنہ سامان فریب — شور سور جاذبیت محشر سوز گداز

پس اگر ہم چاہتے ہوں کہ اُردو مُلکی زبان ہو اور کسی خاص طبقہ کیلئے مخصوص نہ ہو تو لازم ہے کہ الفاظ فارسی و عربی یا سنسکرت کے استعمال مین دامن اعتدال ہاتھ سے نہ دیا جائے،

اعتدال سے میری مراد صرف یہ ہے کہ اتنے انداز سے استعمال کیا جائے جو زبان کی شیرین و سلاست یا سادگی و لطافت مین روڑے نہ اٹکائے اور یہ کوئی نئی بات بھی نہین قدمائے کاملین اور تمام مصلحین زبان کا مسلک یہی رہا ہے ما سرحلقۂ شعرائے متقدمین و متاخرین میر تقی اپنے تذکرہ نکات الشعراء مین اس منزل نازک کی طرف کیا خوب رہنمائی فرما چکے ہین،

سوم آنکہ حرف و فعل پارسی بہ کار برند و این قبیح است، چہارم آن کہ ترکیبات فارسی آرند اکثر ترکیب کہ مناسب زبان ریختہ می افتد ان جائز است واین را غیر شاعر نمی داند و ترکیبے کہ نامانوس زبان ریختہ می باشد معیوب است و دانستن این موقوف سلیقہ شاعری است و مختار فقیر ہمین است،

مولانا وحید الدین سلیم پانی پتی جنھین اب تک مرحوم کہنے کو دل نہین چاہتا دو لفظون مین اسی طرف اشارۂ بلیغ فرما گئے ہین،

"اگر اردو کو ملکی زبان بنانا ہے تو اُسے ہندلسانی رکھئے عربی رانی نہ بنایئے"،

(۳)

ان قدما، کاملین نے سب سے بڑا کام یہ کیا ہے کہ وہ عاشقانہ مضامین جو غزلون مین بہت پہلے سے چلے آتے تھے، ان کو بہ تغیر طرز و اسالیب معمولی بول چال اور روزمرہ مین اس حسن ادا سے نظم کر دیا ہے کہ بار بار پڑھنے اور مزے لیجئے بندشین بھی اگلون سے چست کر دی ہین، محاورے زیادہ دلکش و دلآویز بنا دئے ہین، جذبات و خیالات مین نزاکت اور لطافت پیدا کر دی ہے، ان خوبیون کے باعث چند پرانے نامانوس روابط اور ترکیبون کے باوجود ان کا کلام ایسا ہے جسے اہل مذاق پڑھتے ہین اور سر دھنتے ہین، انھین مین مشہور اساتذہ کا کلام تو بہت دفعہ سمع مبارک مین آچکا ہوگا مین چاہتا ہون آج ایک صوفی گمنام کے دو چار اشعار بھی گوش گذار ہو جائین، صفات مذکور کا لحاظ کرتے جائے تاکہ لطیف مزید کا باعث ہو،

گل اس روش سے باغ مین ہنستا ہے کیون ہو مگر　　کچھ عندلیب کہہ گئی ہو اس کے کان مین

بات کرنے کی نہین طاقت شکایت کیا کرون　　عشق رخصت تو شور حشر اب بپا کرون

قد موزون پہ جس نے دل باندھا،　　اس کا عالم مین بول بالا ہے

آنسو بھی چلتے چلتے ان آنکھون تھم چلے　　آنا ہو تم کو آؤ ابھی اب ورنہ ہم چلے

اور ون کا جگر پایا جو تیر دن ہی بیٹے ہو ۔ یہ عاشق جان باختہ کس ن کیلئے ہے

تھا خاندان چشم تو روشن جہان کے بیچ ۔ اے طفل اشک تو نے یہ گھر ہی ڈبو دیا،

بیٹھا ہون یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ۔ جون تا بدال میں شیشۂ رنگین دھرے ہوئے

آتش گل صبا بلند نہ ہو ۔ عندلیبوں کے آشیانے ہین

دل اشک آہ دونوں دیتے ہین گواہی ۔ پہنچا ہے شور تیرا از مہر تا بہ ماہی

ہوا ہے دل مرا نازک مزاج ایسے پہ اب شیدا ۔ کرون تقریر جو صندل کی درد سر کرے پیدا

تم جو آئے ہو ادھر یار کدھر بھولے ہو ۔ کچھ کہو! ہم تو نہ مانیں گے مگر بھولے ہو

اگر سر جائے جانے دے محبت پر نظر کر دل ۔ نہ شکوے کو زبان پر لا حساب دوستان در دل

رہ نہ پرشے میں دل یہ بے کل ہے ۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

# حضرت عشق کا کمال سخن

## ادبی

### نقطۂ نگاہ سے

زبان کی سلاست روانی، طرزِ ادا کی دل آویزی و دل فریبی

اصول فن کا حسن لحاظ، مفہوم و معنی کی وسعت و رفعت، مذاق کی

کی سخن سنجیدگی و متانت کسی شاعر کے کمال استادی کے لئے کافی و وافی معیار ہیں، صفات مذکورہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت **عشق** کے چند اشعار سنئے۔ میری ناچیز رائے کے مطابق اس نمونۂ منتخب کے علاوہ حضرت عشق کے عام ہموار کلام میں یہ صفتیں تمام پائی جاتی ہیں :— ؎

ہوں سوختۂ دل فکر کوئی تازہ نہیں ہے ✢ اک مصرعۂ برجستہ مری آہِ حزیں ہے
زاہد کہوں کیا تجھ سے کہ ہوں اب میں کدھر کا ✢ آفت زدہ ہوں یار اِدھر کا نہ اُدھر کا
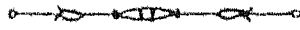
---

ترے حضور میں آئینہ باریاب ہوا ✢ دلِ غریب خجالت سے آب آب ہوا
سوائے نالہ و فریاد خواب ہر کس کو ✢ خیالِ خواب ہمیں تو خیالِ خواب ہوا

---
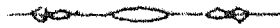
یہ ہر دم بلبلہ سا پھوٹتا ہے ✢ کہاں تک شیشۂ دل کو بناؤں

---

اپنی آنکھوں سے پوچھ اے خوش چشم ✢ مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا
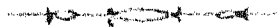
---

اُن کے دامن تلک نہ پہونچے ہم ✢ خاک میں آپ کو ملا دیکھا

آشنا تجھسے ہو نہ ہو کوئی ÷ پر تجھے سب سے آشنا دیکھا
وحشت تجکو قسم ہے مجنوں کی ÷ عشق سا بھی برہنہ پا دیکھا

---

کیا پوچھتے ہو مجھسے کہ کیوں تونے رو دیا ÷ دل نے کیا تھا جمع سو آنکھوں نے کھو دیا

---

داغ دل کا تو کبھی ہم سے مٹایا نہ گیا ÷ یہ دیا وہ ہے جو دن کو بھی بجھایا نہ گیا
سُنا ہے کہ وہ آج آنے کو ہیں ÷ خدا جانے سچ ہے کہ افواہ ہے
ہمیں خاک و خوں میں لٹا کر چلے ÷ سلامت رہو تم دعا کر چلے
روز و شب اس طرح سے ہم مرتے ÷ یہ دُرِ بے بہا عبث کھوتے
تو جو کہتا ہے دل کو مفت نہ کھو ÷ ایسے ہوتے تو ایسے کیوں ہوتے

---

اوروں کا جگر یا جو تیروں سے سیئے ہے ÷ یہ عاشق جاں باختہ کسی دن کے لئے ہو

---

کوچہ ترا کب ہوا فراموش ÷ رستے ہمیں گو ہزار بھولے
دفتر زندگی تمام ہوا ÷ رہ گیا عشق کا سبق باقی

ان اشعار سے یہ ہم رائے قائم کرنے پر مجبور ہیں کہ تغزل کے لیے
اصول مقرر کیے گئے ہیں کہ زبان شستہ اور طرز بیان پاکیزہ ہو۔ جذبات
لات عامۃ الورود ہوں جو ہر عاشق کو پیش آتے اور ہر دردمند کے
دل میں گذرتے ہیں یہ کلام اُن کا نمونہ کامل ہے اور یہی اُنکی تاثیر و ترنم کا راز ہے
غزل شاعری میں وہ صنف نازک ہے کہ اسی سے ابتدا ہوتی ہے اور اسی پر انتہا۔

یوں تو تمام شعرا حسرت۔ مایوسی اور ناکامی کے دکھڑے روتے ہیں
مگر ان کے تمام مضامین خیالی ہیں اور یہاں صرف **قال** نہیں **حال** بھی
اس لیے حضرات صوفیہ کی زبان و قلم سے وہی باتیں نکل سکتی ہیں جو
ان کا مشاہدہ ہے۔ حضرت **عشق** نے ہر صنف سخن پہ طبع آزمائی کی ہے مگر
غزل و مثنوی میں وہ بات پیدا کی ہے جو اور کسی میں نہیں۔ مثنوی بھی اپنے
رنگ میں بے مثال ہے جس کے چند شعر نمونتاً منتخب ہوئے ہیں۔ ان کی غزلیں
ہر بحر اور زمین میں ملتی ہیں، کہیں شربت اور کہیں شیر و شکر مگر چھوٹی چھوٹی
بحروں میں صرف آبحیات بہاتے ہیں جیسے سہل الممتنع کہا جاتا ہے
اور جس موقع کے لیے **ابن رشیق** کا یہ **شعر** پڑھا جاتا ہے ؎

فاذا قیل اطمع الناس طرا + واذا ریم اعجز المعجزینا

اشعار عشق ہور زاہد کو

جب سنیں ایسا سہل معلوم ہو کہ کسی بتدی نے کہا ہے۔ اور جب کہنے بیٹھیں وہ مشکل پڑے کہ منتہی بھی خاموش رہ جائیں۔

تنقید کا ایک تاریک پہلو رہا جاتا ہے۔ میری یہ رائے حضرت عشق کے کلام منتخب کی نسبت ہے۔ ورنہ جب میر صاحب کے متعلق مولانا آزردہ کا یہ جملہ مقبول عام ہو چکا ہے کہ پستش بغایت پست بلندش بغایت بلند یہاں بھی ابتدائے فکر کے پامال نمونے اور قدما کے عیوب اکثر نظر آتے ہیں۔ جن کی تفصیل بے حاصل ہے۔ میرا نقطۂ نظر تو یہ ہے کہ ؎

کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں۔

## حضرت عشق کی تالیفات

حضرت عشق جس طرح بہت بڑے صوفی اور شاعر تھے ویسے ہی صاحب تالیفات کثیرہ بھی تھے۔ مختلف تذکروں اور تاریخوں سے مندرجہ ذیل تالیفات کا پتہ چلتا ہے۔

| شمار | نام کتاب | فن | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۱ | امواج البحار | تصوف | قلمی رسالہ۔ خانقاہ تکیہ عشق میں موجود ہے |

| شمار | نام کتاب | فن | کیفیت |
|---|---|---|---|
| ۲ | سلطان العشق | تصوف | قلمی رسالہ موجود |
| ۳ | مکتوبات | ارشاد و ہدایت وغیرہ | 〃 |
| ۴ | شرح مثنوی مولانا رومؒ | تصوف | نایاب |
| ۵ | تذکرۃ الاولیا | تاریخ و تذکرہ | 〃 |
| ۶ | دیوان فارسی | شعر و سخن | 〃 |
| ۷ | دیوان خرد (ریختہ) | 〃 | 〃 |
| ۸ | کلیات عشق | 〃 | موجود |
| ۹ | تعلیم الخلفاء | تصوف | 〃 |

تصوف کے رسائل کی تنقید تالیف کی نوعیت سے الگ ہے۔ دیوان فارسی مدتوں سے نایاب ہے۔ اردو کا کلیات ۷۰۰ صفحوں پر ختم ہوتا ہے اسمیں اکثر اصناف سخن موجود ہیں چند تضمینیں ہیں ۵۷ رباعیاں چند قطعے، مثنویاں اور تقریباً ۸۰۰ غزلیں جن کا انتخاب اس کتاب میں پیش کیا جاتا ہے۔

# کلامِ شوق

## لطافتِ تخیل اور عاشقانہ شاعری

کے

## چند منتخب نمونے

ارباب نکتہ سنج کے لئے کلامِ شوق سے مختلف عنوانات کیساتھ یہاں چند ایسے نمونے پیش کئے جاتے ہیں تفصیل مزید میں اندیشہ ہے کہ ان اشعار آبدار کا لطف جاتا ہے اسلئے ناظرین کے ذوقِ سلیم پر چھوڑتا ہوں۔ وہ خود فیصلہ فرما لیں کہ کہنہ مشق شاعر نے کیسے شعر نکالے ہیں۔ حسن بیان۔ سادگی کے ساتھ ساتھ جذبات و واردات قلبی کی ترجمانی۔ تخیل کی لطافت میں یہ اشعار اپنی آپ مثال ہیں۔ اشعار نہیں ہیں جگر پارے ہیں جنھیں شاعر سحر سخن کی موزوں و مرصع کشتیوں میں سجا کر لایا ہے ÷

## حسن بیان۔

ناشاد جو گئے ہیں اُنھیں شاد کیجیو ÷ یعنی کہ بعد مرگ ہمیں یاد کیجیو

کل رستے میں ایک خوش ادا تھا ÷ آیا تھا ستم تھا یا بلا تھا
آنکھوں نے کہا یہ رو کے دل سے ÷ ہاں درد جگر کی وہ دوا تھا

## وحشت و جنون -

چاک دل تا بہ گریباں نہوا تھا سو ہوا ÷ رخت دل زینت داماں نہوا تھا سو ہوا
خانماں کر چکا ہوں میں برباد ، اس پہ وہ میرے گھر نہیں آتا

## زار نالی

یہ ہر دم بلبلہ سا پھوٹتا ہے ÷ کہاں تک شیشۂ دل کو بچاؤں
ٹپکتا ہے لہو آنسو کے بدلے ÷ الٰہی چشم یا زخم کہن ہے

## فراق کی گھڑیاں -

ممکن نہیں جی بچے سحر تک ÷ باقی ہے ابھی تو وہ پہر رات

## دریائے محبت کی طغیانی

فلک حباب سا بہتا ہے موج ساغر میں ÷ کبھی جو بحر محبت میں جوش آتا ہے

## دم آخریں -

مہربانی کرو تو عیب نہیں ÷ کام تو اب پیام سے گذرا
یہ نفس کا جو تار باقی ہے ÷ یاد جی . کا دیا دباقی ہے

## خزان و بہار۔

نخل امید اپنا خزاں ہی میں جل گیا

کہیو سلام یار و ہمارا بہار کو

اپنے تھے جتنے کام خزاں نے کیے تمام

کہیو سلام عشق ہمارا بہار کو

## یاس و حرمان۔

ترا چین ابرو، مرا غنچۂ دل

یہ عقدے ہیں وہ جن کو کھلتے نہ دیکھا

اُسکے دامن تلک نہ پہونچے ہم ✤ خاک میں آپ کو ملا دیکھا

## پیمان وفا کی استواری

بلاسے شاد یا ناشاد رکھنا ✤ بہر صورت ہمیں تو یاد رکھنا

بیٹھا ہو نگیں کی طرح گھر کر ✤ یہ دل ہو ادھر اُدھر نہ ہوگا

## آستان یار

کعبہ و دیر سے فراغت دی ✤ تیرے قربان آستانے کے

## خانۂ دل کی آبادی اور تصورِ جمال کی آرزو۔

بسا ہے دل میں آ، وہ خانہ ویران ÷ خدا وندا اسے آباد رکھنا

تصور سے ترے دل شاد رکھئے ÷ خدا اس گھر کے تئیں آباد رکھئے

## کشش حسن کی رہنمائی۔

جذبۂ حسن تجھے ایک کشش ہے لازم ÷ ورنہ اس وادیٔ فرقت میں نہ جاتا ہوں

## واردات قلبی زبان تک نہیں آسکتے۔

دل کی باتیں کہئے کیوں کر ÷ غم سے کوئی محرم ہے

کہوں کس طرح جو گذرے ہے دل پہ

وہ مضموں آ نہیں سکتا ہے زباں تک

## جذبات وفا

کیا کیا جفا میں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں

لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

گرچہ مر جاؤں گا اس درد سے میں زار و نزار

وہ سلامت ہے جس نے مجھے آزار دیا

# اردو کے بعض اساتذہ
اور
# حضرت عشق

حضرت عشق کے اکثر مضامین اور خیالات مختلف اساتذہ اردو کے کلام میں بھی ملتے ہیں۔ اسے سرقہ نہیں کہتے۔ توارد یا نقل ہے۔ ایک شاعر جس خیال کو نظم کرتا ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ خاص اسی کا ہو۔ البتہ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ طرز ادا کے اختلاف سے اصل مضمون میں کوئی اضافہ ہوا یا نہیں اگر مضمون کی وسعت اور مفہوم کی بلندی میں اضافہ ہو تو ارباب نظر کے آگے شاعر کے کمالات اُستادی میں داخل ہے اور اگر ایسا نہیں تو سرقہ کہیے یا ابتذال۔ یہ بحث بڑی طویل ہے اور دل آویز ہے۔ اور دنیا کی تمام زبانوں پر تبادلۂ خیالات ہوا کرتا ہے تفصیل کی تمنا ہو تو مبسوط تذکروں کی طرف رجوع کیجیے۔ اس موقع پر ہم اسکے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔ جن میں حضرت عشق اور دوسرے اساتذہ سے موازنہ ہے۔

## میر تقی میر۔ فرماتے ہیں

جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف ٭ اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا ہوا

شعر تعریف سے مستغنی ہے۔ لیکن پہلے مصرع سے شان تمکنت ٹپکتی ہے جو موقع بیان کے لئے ناگزیر تھی۔ اور کسی کشتۂ ستم کو یہ کہنا کہ تیری غیرت کو کیا ہوا۔؟ دنیائے محبت اور انجمن وفا میں نامانوس سا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عشق نے اس موقع کی نزاکت کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں مصرعوں میں اس طرح جاں نثاری اور جاں بازی کا اظہار کیا ہے کہ بیساختہ زبان سے واہ نکل جاتی ہے۔ فرماتے ہیں

اوروں کا جگر یار جو تیر وں سے سیئے ہے ✧ یہ عاشق جاں باختہ کس دن کے لئے ہے

**خواجہ میر درد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔**

جوں نور نظر ترا تصور ✧ تھا پیش نظر جدھر گئے ہم

**اسی خیال کو حضرت عشق نظم کرتے ہیں۔**

تھا کعبہ و دیر سے کسے کام ✧ مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم

**خواجہ صاحب** کا یہ شعر بھی کس محویت و استغراق کی خبر لاتا ہے۔

کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے ✧ معلوم نہیں کدھر گئے ہم

**میر صاحب** بھی اسی کو چہ سے گذرتے ہیں۔ ✧

جی اپنا ہم نے تیرے لئے خوار ہو دیا ✧ آخر کو جستجو نے تری ہم کو کھو دیا

## ایک دوسری زمین میں فرماتے ہیں

کسی وقت پاتے نہیں گھر اُسے ✣ بہت میرؔ نے آپ کو گم کیا

ان بلند پایہ اُستادوں کی کاوشوں کے بعد دیکھئے ایک صوفی گمنام نے بھی اس منزل کو کس مستعدی سے طے کیا ہے۔ شعر کی تاثیر اور اس کا ترنم قابل رشک ہے۔ ✣

مدت سے ہیں اپنی جستجو میں ✣ ہیں آپ سے اس قدر گئے ہیں

**میر صاحب فرماتے ہیں** ۔مشہور شعر ہے۔ ✣

فقیرانہ آئے صدا کر چلے ✣ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

شعر اُستادانہ ضرور ہے مگر سادہ مضمون میں عشق و محبت کی رنگ آمیزی رہ گئی تھی۔ **حضرت عشق** نے اسے بھی پورا کر دیا ہے۔ ✣

ہمیں خاک و خوں میں لٹا کر چلے ✣ سلامت رہو تم دعا کر چلے

**میر صاحب فرماتے ہیں۔**

تفاوت کچھ نہیں شیریں و شکر اور یوسف میں

سبھی معشوق اگر پوچھے کوئی مصری کی ہیں ڈلیاں

**حضرت عشق** بھی اسی خیال کو اس صفائی اور رفعت خیال سے نظم کرتے ہیں۔

مگر کہیں سے کہیں پہونچ جاتا ہے ؎

زباں شیریں ولب شکر دہن قند مکرر ہیں
کروں کس کس کی تعریفیں یہ سب مصری کی ہیں ڈلیاں

ایک شعر اور سنئے جسمیں دونو اساتذہ نے اپنا اپنا کمال دکھا دیا ہے۔ +

**میر**

دل کے تئیں آتش ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا

**عشق**

داغ دل کا تو کبھی ہم سے مٹایا نہ گیا
یہ دیا وہ ہے جو دن کو بھی بجھایا نہ گیا

حضرت عشق کا شعر ہے اور تعریف سے مستغنی۔ ؎

تب سمجھ کر کیا ہے کفر و اسلام + ان دونوں سے جب گزر گئے ہم

اس مضمون کو مجروح نے بھی نظم کیا مگر نباہ نہ سکے کیونکہ تخیل کی پستی نے مضمون کی لطافت گھٹا دی۔ **مجروح** ؎

ہے تو سیدھی ہی منزل مقصود + سنگ رہ ہیں یہ سبحہ و زنار

حضرت عشق نے فرمایا۔

آگے ! میاں نصیب سے سرسبز ہو نہ ہو ✢ دل کی زمیں میں تخم محبت تو بو دیا

مضمون تو نیا نہیں ہر شاعر کی زبان پر تخم وفا، شاخِ امید، اور ثمر آرزو جاری ہے مگر اس شعر کا طرزِ ادا، اظہار عجز و مسکنت کی وجہ سے بڑا دل نواز اور یادگار ہو گیا ہے۔ جس سے تاثیر و ترنم کے ساتھ ساتھ عاشق کے مدارجِ وفا، اور شانِ نیازمندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد ملک الشعراخان بہادر شاد کے دو اشعار بھی سُن لیجئے۔ جن میں اس مضمون کو ادا کرنے کی فکر بلیغ کی گئی ہے۔ ✢ ۵

اک تو اُگے نہ آپ سے اور جو اُگے تو بو نہ دے

اب تو زمینِ دل میں ہم تخمِ وفا کو بو چکے

کشتِ دنیا کیا خبر کیا پھل پھلے ✢ تخمِ حسرت تجھ میں تو اب بو چکے

# کلامِ عشق

میں

# فارسی خیالات

اردو شاعری چونکہ فارسی شاعری کے قدم بہ قدم چلی ہے۔ اور قدمائے اردو نے فارسی کے رنگین خیالات کو سلاست و روانی کے ساتھ اردو قالب میں ڈھال دیا ہے۔ اس لئے تمام اساتذہ اردو کی طرح حضرت عشق کی سخن سرائی میں بھی بعض بعض جگہ فارسی شعرا کے جذبات عالیہ کا جلوہ نظر آتا ہے +

تلاش و تتبع سے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حضرت **عشق** رح نے عراقی دمشقی اور سعدی شیرازی کی کامیابی کے ساتھ پیروی کی ہے اور انھیں دونوں بزرگواروں کا رنگ سخن کلام **عشق** سے بھی نمایاں ہے۔ +

**عراقی** کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ غزل میں دقیق خیالات نہیں لاتے۔ عاشقانہ جذبات کے ساتھ وہی مضامین ادا کرتے ہیں جنھیں غزل کی صنف نازک گوارا کر سکتی ہے اور یہی حضرت عشق کی سخن سرائی کی بھی خصوصیت ہے۔ عراقی کی یہ غزل مشہور عام ہے۔ اور حال قال کی مجلسوں میں عجیب رنگ دیتی ہے +

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد ÷ کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

چو براہِ کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند ÷ کہ بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

ان ہی کا شعر ہے۔

ہم بہ چشم خود جمال خود بدید ÷ تہمت بر چشم نابینا نہاد

اسی کو حضرت عشق نے فرمایا ہے۔

اپنی آنکھوں سے پوچھ اے خوش چشم ÷ مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا

عراقی نے کہا ہے۔

از جمالت می شکیبد دل ÷ می برد عقل و می فریبد دل

عشق

اُسکی آنکھوں میں خدا جانے کیسا نور تھا ÷ ورنہ یہ دیوانگی کب عشق کا دستور تھا

اور دوسرے اساتذہ کے خیالات بھی آ گئے ہیں مثلاً۔

امیر خسرو فرماتے ہیں۔

صد چو حسین کربلا بر درِ بی نیازیش ÷ تشنہ بماند بر گذر تا بہ زلال کے رسد

عشق

اُسکے دامن تلک نہ پہونچے ہم ÷ خاک میں آپ کو ملا دیکھا

خواجہ حافظ کا مشہور شعر ہے

بہ بوی نافۂ کاخر صبا زاں طرہ بکشاید + ز تاب جعد مشکینش چہ خوں اُفتاد در دلہا

حضرت **عشق** نے کس دل آویزی سے اسی خیال کو ادا کیا ہے۔

یاد اُس زلف پریشاں کی جو آئی اے صبا + جمع تھا جو غنچۂ دل سو پریشاں ہو گیا

خواجہ صاحب کا مشہور **شعر** ہے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں اُفتد راز + ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

حضرت **عشق** کہتے ہیں۔

کہوں کس طرح جو گذرے ہے دل پہ + وہ مضموں آ بھی سکتا ہو زباں تک

ملک قمی کا ایک عارفانہ شعر ہے اور مشہور عام۔

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر + یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

اسی مضمون کو حضرت **عشق** نے بھی کس خوبی سے نظم کیا ہے۔ ؎

دم کی غفلت میں آہ دم ہی گیا + سر اُٹھایا تو کارواں کہیں

**شیخ سعدی** شیرازی کا ایک مشہور **شعر** ہے ؎

دیدہ را فائدہ این ست کہ دلبر بیند + ورنہ بیند چہ بود فائدہ بینائی را

اسی خیال کو حضرت **عشق** بھی کس خوبی سے ادا فرماتے ہیں ؎

تیرا دیدار ہی نصیب نہ ہو + خاک میں جائے ایسی بینائی

حضرات سخن سنج کی ضیافت طبع اور مذاق سلیم کی تفریح خاطر کے لئے ذیل میں چند اشعار جمع کئے گئے، جن میں میر و عشق ہم طرح ہیں۔، یعنی ایک ہی زمین اور ایک ہی قافیہ و ردیف میں دونو اساتذہ نے زور قلم دکھایا ہے۔ منشائے اصلی لطف سخن ہے۔ موازنہ مقصود نہیں کلام کی خوبیاں اور طرز بیان کے اختلاف سے جدت و ندرت کا اضافہ ارباب نظر سے محتاج تشریح نہ رہے گا۔ شرائط توازن کے لحاظ سے وہی اشعار لئے گئے ہیں جو نمونہ کلام اور انتخاب کلام میں درج ہیں۔ یعنی کلیات میر یا عشق سے محض سیدھے سادے اشعار پیش نہیں کئے جاتے۔

| عشق | میر |
| --- | --- |
| ہمیں خاک و خوں میں لٹا کر چلے | فقیرانہ آئے صدا کر چلے |
| سلامت رہو تم دعا کر چلے | میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے |
| آنکھوں کا نور دل کی تسلی صفائے جان | تم نے جو اپنے دل سے بھلایا ہمیں تو کیا |
| انصاف کیجئے آپ کو کیونکر بھلائیے | اپنے تئیں تو دل سے ہمارے بھلائیے |
| نور نظر ہے چشم کو کیونکر چھپائیے | پہونچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میر |
| اس سے جو دل اٹھائیے کس سے لگائیے | اس پہ بھی جی میں آوے تو جی کو لگائیے |
| شاید یہ دلوں کی تم نے کر لی ہو دوں پیلیاں | کہوں کس سے میر کہ جب باتیں جنون شوق میں چلیاں |
| سمجھ کر دیکھو ہم کہتے ہیں یہ باتیں تو ہیں چلیاں | زنجیر جب دل نے دم مارا تو چھڑیاں بید کی اڑیاں |

# میر عشق

تفاوت کچھ نہیں شیریں و شکر اور یوسف میں
سبھی معشوق اگر پوچھو کوئی مصری کی ہیں ڈلیاں

زبان شیریں لب شکر سخن قند مکرر ہیں
کروں کس کس کی تعریفیں یہ سب ہی یکہ ہیں لیلیاں

دوانا ہو گیا تو میر آخر ریختہ کہہ کہہ
نہ کہتا تھا میں اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

نہالِ آرزو کو اے فلک یوں بے ثمر رکھا
نہ پھولے گل تمنا کے گریں مرجھا کے سب کلیاں

پھر ہرے دلِ دیوانہ پھر لہروں پہ آتا ہو
بہارِ تازہ پھر آئی ہوائیں عشق کی چلیاں

پیامِ دل شکستہ عشق اتنا دل کے کہہ دیجیو
نہیں آساں قدم رکھنا کٹھن ہیں الفت کی گلیاں
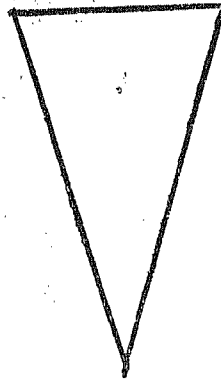
# میر — عشق

اس طرح دل گیا کہ ہم اب تک
بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں

جب سے تجھ سے جدا ہوئے ہیہات
سر پٹکتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں

دم آخر ہے بیٹھ جا . مت جا
صبر کر ٹک کہ ہم بھی چلتے ہیں

زندگی موت کیا دوراہہ ہے
تم اُدھر ہم اِدھر کو چلتے ہیں

دل کے تئیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا
گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا

داغ دل کا تو کبھی بہت مٹایا نہیں
یہ دیا وہ ہے جو دن کو بھی بجھایا نہیں
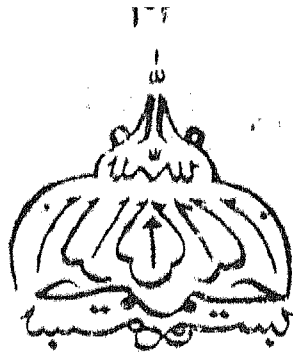
کاتب الحروف علی حسین مقیم پٹنہ کی قلمی

ایکا

# ردیف الف

آہ جانسوز کو سر دفتر دیوان کیا + عشق نے دیکھتے ہو پہلے ہی طوفان کیا

---

جس وقت کوئے یار میں ہم نے گذر کیا + اس وقت اغدار سینہ کو سینہ سپر کیا

تمکین میں پہاڑ سے بھی مستقل تھا میں + خانہ خراب دل نے مجھے در بدر کیا

صحن چمن میں گل نے گریباں کیا ہے چاک + اے عندلیب تو نے یہ کیوں نالہ سر کیا

---

زاہد کہوں کیا تجھے کیسے ہوں اب میں کدھر کا + آفت زدہ ہوں یار ادھر کا نہ ادھر کا

آزادگی کا قیدی محتاج ہے قفس کا + سودا ہے اسکی خاطر کشمکش نفس کا

بازی کو چھوڑنے تو اے عشق سن یہ نکتہ + تیغ رضا سے اسکی آخر ہو ہوس کا

## بحر طویل

ہماری آنکھوں نے غم میں تیرے کیا ہو رونا شعار اپنا
بہے ہیں پل میں لہو کے نالے جدھر ہوا ہو گذار اپنا
مسیح تو او میں ہوں زخمی نہ کر تغافل ذرا ہو منصف
کسے دکھاؤں سوائے تیرے بھلا یہ سینہ فگار اپنا
کروں کہاں تک شکایتیں میں نہ پائی ان میں وفا کی بو کچھ
چمن میں دنیا کے گلرخوں کو کیا اگرچہ ہزار اپنا
نہیں جھپکتی ہو ایک پل بھی مثال آئینہ چشم حیران
تجھے دکھاؤں میں کس طرح سے کہوں تو کیا انتظار اپنا
کہوں میں کس سے یہ عشق جا کر سنے ہو کون ان مصیبتوں کو
نہ آنکھیں اپنی نہ دل ہو اپنا نہ شہر اپنا نہ یار اپنا

کچھ دلِ سنگ میں اثر نہ کیا ✣ تجھکو اے آہ ہم نے دیکھ لیا
اپنی آنکھوں سے ہم نے دیکھا ہو ✣ کوئی بیمار چشم کا نہ جیا
یاں تلک اُس کو ننگ ہو مجھ سے ✣ بھول کر بھی کبھو نہ نام لیا
زندگی نام وصل ہو اے یار ✣ ہجر میں جو جیا سو خاک جیا

غرض اس طور عشق گذری عمر
پر شکایت سے لب کو وا نہ کیا

جس کو سُنا سو اُس کا گرفتار ہو گیا ÷ اس بات پر یہ دل بھی خریدار ہو گیا
رویا نہ تیرے خوف سے اور آہ بھی نہ کی ÷ گھٹ گھٹ کے دل ہی دل میں یہ بیمار ہو گیا
آگے تو اس طرح سے دل افسردہ تو نہ تھا ÷ کچھ ان دنوں ہی تجھ کو یہ آزار ہو گیا   ایکا
وہ دل جو بوعلی کو بتاتا تھا درس عقل ÷ شرح کتاب عشق سے ناچار ہو گیا

خالق کی بارگاہ میں گو راہ ہو نہ ہو
پر عشق ربط خلق سے بیزار ہو گیا

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیوں تم نے رو دیا ÷ دل نے کیا تھا جمع سو آنکھوں نے کھو دیا
دل کو اگرچہ داغ دیا یا جگر کو زخم ÷ میں نے بہ جان قبول کیا اُس نے جو دیا
تھا خاندان چشم تو روشن جہان میں ÷ اے اشک شتاب تو نے یہ گھر ہی ڈبو دیا
لگے میاں! نصیب ہے سرسبز ہو نہ ہو ÷ دل کی زمین میں تخم محبت تو بو دیا

دل اور جان دینے میں تقصیر کچھ نہ کی
عشق اُس نے جو طلب کیا ناچار سو دیا

جب میں نے اس دل بیتاب کا منظور نہ تھا ÷ ورنہ آنا ترا مجھ پاس کچھ دور نہ تھا

کچھ نئی طرز ملاقات نکالی اب تو ∴ ورنہ آگے ترے ملنے کا یہ دستور نہ تھا
دیر و کعبہ میں سنا گوش سے دل کے ہم نے + عشق کے ذکر سوا اور تو مذکور نہ تھا
دیکھکر تیری جفا خلق ہی مجھسے کہتی + جو کیا تونے فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا

---
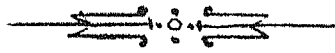
ایک دن بھی خیال دلداری + نہ کیا آہ تونے پر نہ کیا
کون سی رات خونِ دل سے عشق
دامن و آستیں کو تر نہ کیا
میرے رونے کی حقیقت کو تو اے ناداں نہ پوچھ
جو گرا قطرہ ان آنکھوں سے وہ طوفاں ہو گیا
یاد اس زلفِ پریشاں کی جو آئی اے صبا
جمع تھا جو غنچۂ دل سو پریشاں ہو گیا

آنکھیں دکھلانے کا بہانا تھا + برچھیاں اپنی آزمانا تھا
شور مجنوں کا تھا جہاں یارو + میری تصویر کو دکھانا تھا
ضعف سے آہ واں سے اُٹھ نہ سکی + ورنہ دل سے زباں تک آنا تھا
دل کی بیماری کا تو حال نہ پوچھ + دیکھنا ہی ترا بہانا تھا

ذکر کرتے ہیں اس کا خاص و عام

عشق تھا شخص یہ فسانہ تھا

یاں تلک یار ہم نے پاس کیا + مر گئے کچھ نہ التماس کیا

قدر دانی کو تیری کیا کہئے + آپ سا ہم کو بھی قیاس کیا

وہ تصور میں کب نہیں آتا + ہم ہوتے ہیں جب نہیں آتا

آج آنکھوں میں دل بجائے اشک + کچھ تو ہے بے سبب نہیں آتا

عشق یادش بخیر اے یارو

آگے آتا تھا اب نہیں آتا

جان جانے کا ڈر نہیں رکھتا + سر پہ درد سر نہیں رکھتا

جور یار کے کس طرح روؤں + بے جگر ہوں جگر نہیں رکھتا

میری آنکھوں سے وہ جدا بھی نہیں + گو وہ مجھ پہ نظر نہیں رکھتا

جستجو میں مری نہ حیراں ہو + مثل عنقا میں گھر نہیں رکھتا

کون ہوں میں کہاں ہوں کیسا ہوں + اتنی بھی میں خبر نہیں رکھتا

عشق کا اس کے شور ہی کیونکر + آہ جو کارگر نہیں رکھتا

تجھ کو دینا ہے عشق نام خدا + مال و دولت اگر نہیں رکھتا

ایکا

جو کیا سو خیال خام پڑا　　آہ دل تجھکو کس سے کام پڑا

کسی خوش چشم کی نظر لاگی　　تو جو روتا ہی صبح و شام پڑا

دور سے سلطنت کی عزت گو　　جم کہیں ہی کہیں ہے جام پڑا

○

غم مرا تیرے دل نشیں نہوا　　شاد تجھسے دلِ حزیں نہوا

سعی مہتاب نے بہت کچھ کی　　مہ ہوا گرچہ مہ جبیں نہوا

اسکے کیا کیا کہوں نشیب و فراز　　آسماں ہی رہا زمیں نہوا

○

ہمیشہ عشق کو سرشار دیکھا　　نہ شیشہ تھا نہ مے تھی نہ سبو تھا

○

کرتی ہی خون ہر گھڑی اس بے گناہ کا　　دل نے لیا ہی کیا تری کافر نگاہ کا

کیوں روکتا ہی راہ تو مستو نکی اے صنم　　مانع نہیں ہوا ہی کوئی شاہ راہ کا

دل کس طرح بچاے کوئی جذب عشق سے

چلتا ہی کہربا سے کہیں زور کاہ کا

دلِ دیوانہ اگر قابل دیدار نہ تھا　　ان شکستوں کے بھی لائق تو مریار نہ تھا

زرد رو آنکھوں کے آگے نہیں نرگس ہے فقط ÷ کون خوش چشم تری چشم کا بیمار نہ تھا
نسخۂ وحدت و کثرت کا تفاوت سمجھا ÷ خوب دیکھا تو بجز پردۂ پندار نہ تھا
کس جفا کار کو دل تو نے دیا غور تو کر ÷ اور دنیا میں مگر کوئی طرحدار نہ تھا

عشق ہی ہم کو ستاتا ہے ہمارا یارو
ورنہ معشوق کبھی درپئے آزار نہ تھا

وہ شوخ ملتے ملتے یکایک مچل گیا ÷ گھٹ گھٹ کے آپ ہی سے مرا دل نکل گیا
بیمار تیری چشم کا اچھا ابھی تو تھا ÷ کچھ دیکھتے ہی دیکھتے آنکھیں بدل گیا
دل جل گیا اگرچہ ہمارا تو کیا عجب ÷ اسکی نگاہ گرم سے پتھر پگھل گیا
دیکھا نہ آفتاب کبھی تیرے روبرو ÷ جب ہو گیا وہ سامنے سایہ سا ڈھل گیا

ہرآن عشق ہوتے تھے ہم آرزو شکار
دل کیا گیا عذاب سے چھوٹے خلل گیا

ہے تماشاگاہ میں دل صیاد اس نخچیر کا ÷ جسکے ہر ٹکڑے پہ ہو نقشہ تری تصویر کا
سیکڑوں تیری کرو کیمیں کہ سچا خیال ÷ قبلۂ حاجات یہ تو ہو لکھا تقدیر کا

دیکھنے والے تو تنگ آئے مصیبت اسکی دیکھ
کچھ تجھے بھی فکر ہے عشق اس دل دلگیر کا

دل کو ناحق بھی جو دُکھائے گا ✤ اس کا بدلہ خدا سے پائے گا
اتنی کج خلقیاں بھی خوب نہیں ✤ جان سے اپنی کوئی جائے گا

رات یہ میکدے میں کیا غل تھا ✤ مبحث دور اور تسلسل تھا
تو جو ایسا ہوا ہے زار و نزار ✤ کسی بے رحم سے توسل تھا
نام کو سُن مرے کہا! ہوگا؟ ✤ وہ تغافل تھا یہ تجاہل تھا

دل فکر معاش سر نہ ہوگا ✤ ہم سے تو یہ درد سر نہ ہوگا
جاتا ہے فلک کے پار نالہ ✤ یہ تیر بھی کارگر نہ ہوگا
بیٹھا ہے نگیں کی طرح گھر کر ✤ یہ دل ہے ادھر اُدھر نہ ہوگا
فریاد سُنی نہ عشق کی رات
شاید کہ وہ اپنے گھر نہ ہوگا

کہتا ہے وہ باتیں جو اُتر جاتی ہیں دل میں ✤ جز عشق کسی کو بھی الہام نہ آیا
کل رستہ میں ایک خوش ادا تھا ✤ آفت تھا ستم تھا یا بلا تھا
آنکھوں نے کہا یہ رو کے دل سے ✤ اس درد جگر کی وہ دوا تھا

اے خوشی دور دور ہی تو رہ + ان دنوں درد یار ہی میرا
دل کے ہاتھوں خراب پھرتا ہوں + اس میں کچھ اختیار ہی میرا
جس سے ہوتی ہو آئینہ کو جلا + اے صبا وہ غبار ہی میرا

---

کانٹے جو دل میں کھٹکتے ہیں ان کا علاج کر + بستر جو تونے گل کا بچھایا تو کیا ہوا

نہیں سمجھتے ہو تم لطف منہ چھپانے کا + کہ اس چھپانے میں مضمون ہے دکھانے کا
نگاہِ مست سے تیری ہوئی ہو مستی اور + بھرا ہو رنگ تمہیں دور میں ملنے کا
بھلا تمہیں کہو دل کیسے شاخ شاخ نہ ہو + نہ ہو تجھے ہاتھ مرا اور نہ ہو تجھے شانے کا
خیال دیر و حرم سر نے سر سے دور کیا + بندھا ہو جب سے تصور اس آستانے کا
سنا ہو ہم نے وہ گھبرا کے آگ دے بیٹھا + کیا ہو عشق نے کیا فکر آشیانے کا

بے خبر تک جاگ اٹھ سوتا ہی کیا + دیکھ آنکھیں کھول کر ہوتا ہو کیا
تخم خواہش گلشن دل میں نہ پھینک + حق میں اپنے کانٹے تو بوتا ہو کیا
دم کی فرصت ہی غنیمت دمبدم + کیا کہیں ہم تجھسے تو کھوتا ہو کیا
داغ دل کے دھو اگر مقصود ہو + خوں کو دامن عبث دھوتا ہو کیا
نامرادی عشق میں مطلوب ہو + بے کلی ہر بات پر روتا ہو کیا

ترے حضور میں آئینہ بار یاب ہوا ÷ ولے غریب خجالت سے آب آب ہوا
سوائے نالہ و فریاد خواب ہی کس کو ÷ خیالِ خواب ہمیں تو خیال خواب ہوا
ہوئی ہی ہجر کی آتش بلند سینے سے ÷ نہ بھر لے چشم و گر نہ یہ دل کباب ہوا
نہو تو جلوۂ خورشید پر فلک مغرور ÷ جو دل نے داغ نکالا سو آفتاب ہوا
حجاب ہی سے دو عالم کو صید کر ڈالا ÷ غضب کریگا وہ جسوقت بیحجاب ہوا
برنگ عشق وہ بھولا ہی آپکو ساقی ÷ جو تیرے جام محبت سے کامیاب ہوا

دنیا کو جب سے ہم نے خواب خیال دیکھا ÷ جس آئینہ میں دیکھا اپنا جمال دیکھا
بازار نا امیدی کیا گرم اندنوں ہے ÷ جس آرزو کو دیکھا پر انفعال دیکھا
دنیا کی سیر کرتے گذری ہی عمر ساری ÷ پر عشق نے ہم تجھ سا کب مرد حال دیکھا

سلامت رہیں یہ وفائیں جفائیں ÷ میں اُس سے نہ وہ مجھسے بیزار ہوگا

اُس نے رو رو کے اُسکو رام کیا ÷ واہ آنکھوں نے ایک کام کیا
دلِ بدبخت بچ رہا اب بھی ÷ اُس کی آنکھوں نے قتل عام کیا

لبریز ہی آتش سے پیمانہ محبت کا ÷ کون اس کو پیئے ساقی دیوانہ محبت کا
جبریل کی طاقت کیا جو گرد پھرے اسکے ÷ جس شمع پہ جلتا ہی پروانہ محبت کا
کونین میں جو کچھ ہی سو اسمیں سمایا ہی ÷ کب عرش سے چھوٹا ہی کاشانہ محبت کا
اُس کافر بیدیں کی کیا بات کہے کوئی ÷ کعبہ کو بنا ڈالا بتخانہ محبت کا

بلا سے شاد یا ناشاد رکھنا ÷ بہر صورت ہمیں تو یاد رکھنا

بسا ہے دل میں آ وہ خانہ ویران ÷ خداوندا اِسے آباد رکھنا

عبث تو پوچھتا ہو شیشۂ دل کو کہان ٹوٹا

کہون کیا سنگدل تجھسے جہان ٹوٹا وہان ٹوٹا

بگاڑا تم نے کیا میرا شکست دل تھی قسمت مین

خدا جانے کہان ٹوٹا نہ یان ٹوٹا نہ وان ٹوٹا

نہ پوچھ اے عشق رونے کو کرون کیا خوبرؤون مین

جُدا ہوتے ہی اُس کے سر پہ میرے آسمان ٹوٹا

شیخ کیا جانے شراب ارغوانی کا مزا ÷ آہ مستسقی سے پوچھو سرد پانی کا مزا

اے شراب کہنہ تجھ مین کیفیت ہے نو بنو ÷ اس کہن سالی مین پاتا ہون جوانی کا مزا

جسکی آنکھو نمین کھٹکتا ہو وہ کچھ، کیا جانے وہ ÷ خوابِ آلودہ سمجھتا ہے . کہانی کا مزا

شام سے صبح، صبح سے تا شام ÷ راہ پر بیٹھ انتظار کیا

جب نہ آیا وہ رشکِ ماہ و مہر ÷ اور دل نے بھی بیقرار کیا

زندگی کے خیال کو چھوڑا ÷ موت کو عشق ہمکنار کیا

او اُونا نہ جسوقت وہ دامن کشان نکلا ÷ پڑا غوغا یہ عالم مین کہ خورشید جہان نکلا

غرور و سرکشی سے جو گیا دل اُسکے کوچہ مین ÷ خرابِ خستہ و بیمار و زار و ناتوان نکلا

دیدۂ دل جو کر کے وا دیکھا — حرم و دیر میں خدا دیکھا
از عدم تا وجود آ دیکھا — جس کو دیکھا سو بے وفا دیکھا
اپنی آنکھوں سے پوچھ اے خوش چشم — مجھسے کیا پوچھتا ہے کیا دیکھا
اُس کے دامن تلک نہ پہونچے ہم — خاک میں آپ کو ملا دیکھا
آشنا تجھ سے ہو نہ ہو کوئی — پر تجھے سب سے آشنا دیکھا
دشت تجھکو قسم ہے مجنوں کی — عشق سا بھی برہنہ پا دیکھا

---

عالم میں اگر طرۂ محبوب نہ ہوتا — یہ سلسلہ نظم جہاں خوب نہ ہوتا
تصویر تیری دلمیں اگر میرے نہ ہوتی — یہ گلشن دل بھی مجھے مرغوب نہ ہوتا
اے چشم غضب تونے کیا کیا کہوں تجھسے — تو اسکو نہ تکتی تو وہ مجذوب نہ ہوتا
یوسف کو زلیخا سے کوئی کیسے بچاتا — اے عشق اگر گریہ یعقوب نہ ہوتا

---

اسکے چہرہ پر خدا ہی جانے کیسا نور تھا — ورنہ یہ پروانگی کب عشق کا دستور تھا
لگ گیا ناگاہ کس کا نشتر تیر نگاہ — دل کا شیشہ جو بغل میں تمنے دیکھا چور تھا

---

اے آہ تو نے اور بھی شعلہ اُٹھا دیا — داغ جگر کو شمع کی صورت جلا دیا
بے قدر کسطرح نہ ہوں میرے قدرداں — مانند اشک آنکھوں سے تمنے گرا دیا
مانند اشک اُٹھ نہ سکے گر کے آہ عشق — ایسا ہی خاک میں ہمیں تونے ملا دیا

پڑا رہتا اُسی کوچہ میں یہ بیمار بہتر تھا
کہ ان سب راحتوں سے اسکو وہ آزار بہتر تھا

فغاں ای آہ تیرے ہاتھ سے رسوا ہوا ہوں میں
اگر دل میں چھپا رہتا تو یہ اسرار بہتر تھا

یکایک کیا ہوا اسکو ہزار افسوس لے یارو
گھڑی دو چار کی ہے بات یہ بیمار بہتر تھا

دیکھا جو تجھے کافر دین ار بہت رویا
زاہد بھی ٹپکا اپنی دستار بہت رویا

فریاد مری پہونچی جب کان میں گلشن کے
شبنم کے بہا آنسو گلزار بہت رویا

سنتے ہیں میخوارو اس جا عشق کا میخانہ تھا
جان شیشہ دل تھی اور سنبھالا ہی پیمانہ تھا

جو کوئی آیا سو لخت دل کو میرے لے گیا
لوٹ میں تخصیص کیا اپنا تھا بیگانہ تھا

جس کے دامن تک نہ پہونچے ہاتھ وہاں کیا دوستی
عشقبازی اُس سے میں کرتا مگر دیوانہ تھا

عرش تا فرش سیر کر دیکھا
جلوہ گر تو ہوا جدھر دیکھا

تیسرے کے نام پر تڑپتا ہو　　اس طرح کا کہیں جگر دیکھا

کچھ یاد بھی ہے کہاں ہوا گم　　کس سے پوچھیں سراغ دل کا

کیجے دارو مریز عشق کب تک　　لبریز ہوا ایاغ دل کا

## (فردیات)

## ردیف الف

حشر برپا کریں گے دیوانے　　ان کی زنجیر مت ہلائیے گا

خانماں کر چکا ہوں میں برباد　　اس پہ وہ میرے گھر نہیں آتا

ہر اک کی پیروی کو نہ کر دل قبول تو　　دنیا میں عشق قافلہ سالار ہو گیا

آئے گا نظر چھپا ہے جو کچھ　　جب دیدۂ دل کو وا کرے گا

داغ دل سے مرے بنا خورشید　　آہ سے آسماں ہوا پیدا

چرچا غزل کا تھا کل شاعری کی انجمن میں　　جو شعر عشق دیکھا سو انتخاب دیکھا

دیا جو آخری دیدار تو نے　　جزاک اللہ فی الدارین خیرا

سخن حق پکار کر کہنا　　ایک ہو تو ہزار کر کہنا

نام کو بھی نہ پائی دل داری　　بس تمہیں مہرباں دیکھ لیا

اسکی نگہ کی گرمی جس جس طرف پڑی ہے　　سینہ میں جس نے دیکھا دل کو کباب دیکھا

ترا چین ابرو مرا غنچۂ دل — یہ عقدے ہیں جن کو کھلتے نہ دیکھا

آنے تلک اُس کے تو نہ جانا — اے جان ٹک انتظار کرنا

داغ دل کا تو کبھی ہم سے مٹایا نہ گیا — یہ دیا وہ ہے جو دن کو کبھی بجھایا نہ گیا

## ردیف ب

تم عبث اب ڈھونڈتے ہو آشیان عندلیب
مشت پر گلشن میں باقی ہے نشان عندلیب
دور ہے انصاف سے گلچیں نہ چن کلیوں کو تو
دل سے ہر غنچہ کے وابستہ ہے جان عندلیب

## ردیف ت

کیا خود پرست و دیر پرست و خدا پرست
جب خوب دیکھیے تو یہ سب ہیں ہوا پرست
جس دن سے بوئے زلف یہ لائی ہے اپنے ساتھ
اس گلشن جہاں میں ہوا ہوں صبا پرست

# ردیف ت

ہوگی جو سحر تو عید ہوگی ‌ جیتے بچے آج کی اگر رات
ممکن نہیں جی بچے سحر تک ‌ باقی ہے ابھی تو دو پہر رات

دیکھ اس گلعذار کی صورت ‌ آئینہ ہے بہار کی صورت
آنسو آنکھوں سے میری بہتے ہیں ‌ گوہر آبدار کی صورت
آنکھیں ہیں اپنی مثل آئینہ ‌ کیا کہوں انتظار کی صورت
عشق کے داغ کم نہیں گل سے ‌ دیکھ ظالم بہار کی صورت

# ردیف ث

تنہا نہ تیرے حسن کی ہے انجمن میں بحث ‌ کرتی ہے عندلیب بھی گل سے چمن میں بحث

# ردیف ٹ

آنکھیں میری گئیں ہیں پھوٹ پھوٹ ‌ تو بھی جانا تو نے اسکو جھوٹ جھوٹ
میرے رونے کو تک آنکھوں سے دیکھ ‌ اشک کی لڑیاں گری ہیں ٹوٹ ٹوٹ

پہلے کچھ نا ہیے تھا سودائے خوباں کا علاج      بعد ازاں کیجیو میرے چاک گریباں کا علاج
رو رو اپنا گھر ڈبویا عشق آنکھوں نے تری      کچھ بھی ہے منظور اب اس چشم گریاں کا علاج

## ردیف چ

اس کف خاک پہ شاید قدم آوے تیرا      سنگ دل فرش ہوا ہوں تری راہ کے بیچ

## ردیف ح

یاد آجاتی ہے جب ساقی کے آجانے کی طرح      آنکھیں بھر آتی ہیں غم سے دل کے پیمانے کی طرح

## ردیف خ

لوٹ لے گا سب بہار تیری شحنۂ خزاں      بلبل پہ کر لے تو زرِ گل کو نثار شاخ
چلتے ہیں تجھ پہ سنگ حوادث اسی لئے      محفوظ وہ ہے جو نہ رکھے برگ و بار شاخ

## ردیف د

زلف کی جا بے ہول پیچ گذری گذری      جس کے پاؤں میں پڑے جا بنے وہ زنجیر کا درد

مست ہی اپنی زور کشت کی تدبیر میں وہ     کوئی صیاد سمجھتا نہیں نخچیر کا درد

نہ ہووے مہر سے روشن کرے نہ ماہ سفید     تیری نگاہ سے ہووے دل سیاہ سفید

نہ پوچھ خون جگر کی خبر تمام ہوا     نکلتے ہی مری آنکھوں سے اشک آہ سفید

سیاہ نامۂ اعمال ہی گناہوں سے     کر اپنے فضل و کرم سے ایسے الہ سفید

شعلہ حسن سے ہی داغ جگر کو پیوند     کیوں نہ ہو نور کو ہی جرم قمر سے پیوند

تیرہ بختوں کی شب ہجر تو جاتی ہی نہیں     کی ہے خوبان نے مگر شام سحر سے پیوند

شجر عشق ثمر وصل کا لائے بیشک     آہ کی شاخ اگر ہووے اثر سے پیوند

## ردیف ر

جب سے ہوا ہے وہ بت عیار یار     روتا ہوں تب سے برسر بازار زار زار

آتا تھا پہلے گھر مرے ناگاہ گاہ گاہ     بھڑکایا تو نے آہ شرر بار بار بار

ان گلرخوں کے عشق میں ہر پھول پھول پھول     جوں لالہ داغ کھاتے ہیں ناچار چار چار

مت پوچھ مجھ سے کیوں ہے ترا رنگ زرد پھر     اٹھنے لگا ہے سینے میں ظالم وہ درد پھر

کس طرح مضطرب نہ ہوں اے عشق تو ہی کہہ     آنے لگی زبان پہ تیری یہ آہ سرد پھر

بات اتنی تو سنو بندہ نواز　　اپنے بندوں کے رہو بندہ نواز
ربط رکھتے ہیں بہم راز و نیاز　　ہم سے دل کھول ملو بندہ نواز

## ردیف س

ہم سے روٹھا ہے گلعذار افسوس　　مفت لٹتی ہے یہ بہار افسوس
خاکساری سے خاک ہو گئے ہم　　تیرے دل میں رہا غبار افسوس
بندگی کو سری نہ سمجھا تو　　ہائے افسوس صد ہزار افسوس
سن تو اے تاجدار باغ و بہار　　عشق کا دل ہو خار خار افسوس

بس کہ دل کی تنگی سے خوش آتا ہے صحرائے قفس
بلبل بے بال و پر رکھتی ہے سودائے قفس
گل کی خاطر قید میں رہتی ہے ورنہ باغباں
نالۂ جانسوز سے بلبل کے جل جائے قفس

## ردیف ش

میں کر چکا شکوے کا سر دکار فراموش　　تو یار فراموش ہیں اغیار فراموش

میں دل کے تصور کو بھلا کیسے بھلاؤں　　کرتا ہی کبھی شیشہ کو میخوار فراموش

کی عشق نے کچھ دل میں عجب مشتعل آتش

یک لخت ہوا جل کے مرا آب و گل آتش

کیا یاد ہی! کیا؟ کیا فراموش　　یہ یاد ہی سب ہوا فراموش

ناصح تری بات مانوں کیونکر　　کب ہوتے ہیں آشنا فراموش

چاہیے کہ بتوں سے خوب گذرے　　کر عشق تو مدعا فراموش

## ردیف ص

دل نہ ہو کیسے منزل اخلاص　　ایک یہ گھر ہی قابل اخلاص

غرق ہیں اس میں جو شناور ہیں　　کس نے دیکھا ہی ساحل اخلاص

لڑ گئیں آنکھیں دل ہوا زخمی　　سِنّ بالسِّن والجروح قصاص

دیکھکر تیرے روے مصحف کو　　عشق پڑھتا ہی سورۂ اخلاص

## ردیف ض

ملتا ہو ترے سینے کو جب آپ کے عوض　　آئے نہ آب آنکھوں میں کیوں خواب کے عوض

بازار عشق بازی میں ٹک جاکے دیکھ لے ۔ لیتے ہیں اشک گوہر نایاب کے عوض
ایوان سینہ کیوں نہ ہو اے عشق پر ضیا ۔ جلتے ہیں داغ دل مرے مہتاب کے عوض

## ردیف ط

عاشق کے جتنے کام ہیں ہوتے ہیں کم غلط ۔ یہ غم غلط نہیں جو کرے کوئی غم غلط
یہ سرنوشت میری لکھی خوش نویس نے ۔ کلک قضا کا یار کہیں ہے رقم غلط
ہر ایک کا جدا ہے جہاں میں پسند طبع ۔ جسکو درست کہتے ہو تم اوسکو ہم غلط
قطروں سے تیرے گلشن دل کی ہے تازگی ۔ اس راہ میں نہ کیجیو اے چشم نم غلط
ہستی ہے ایک عشق کی پیدا ہوا یا نہاں ۔ ہم تم کا ذکر کیا ہے وجود و عدم غلط

## ردیف ظ

خموش عشق کی باتیں نہ کر بیاں واعظ ۔ حدیث عشق کہاں اور تو کہاں واعظ
دماغ دل کو کہاں ہے جو تجھ سے بحث کرے ۔ مگر نہ تیری حقیقت ہے سب عیاں واعظ
حکایت اس دہن تنگ سے جو کرتا ہے ۔ اب اس زمانے میں ہے تو ہی نکتہ داں واعظ
ہوا لگی ہی نہیں تجھکو اس گلستاں کی ۔ یہ بولیاں تجھی تو بولتا ہے ہاں واعظ

سوادِ عشق بتاں کھوتی ہے تری تقریر ہے گویا نشترِ فصاد یا زبانِ واعظ

## ردیف ع

دیکھ کر اس شعلہ رو کو دل میں بل کھاتی ہے شمع
بلکہ اس حسرت سے ہو بیتاب جلجاتی ہے شمع
ہے زبانِ شمع سے روشن دلیل سرگذشت
سر جلا - گردن کٹوں کو عشق سمجھاتی ہے شمع

## ردیف غ

ناصح اب بکنے کا تجھ سے میں نہیں پاتا دماغ
یہ نصیحت تیری ظالم داغ ہے بالائے داغ
کس کا دل شکوہ کرے اور کس کی تعریفیں لکھے
آہ و نالے سے اُسے ہوتا ہے کب اپنے فراغ

## ردیف ف

ہوا ہے تیر مژہ سے یہ دل شگاف شگاف یہ اشک سرخ ہیں شاہد نہیں کچھ اسمیں خلاف

سوائے درد کے کچھ عشق کی نہیں تحصیل　　مجاز لہ سے کرم کیجیے اسکو معاف

# ردیف ق

کیا پوچھتے ہو مجھ سے تم اب ماجرائے عشق
وابستۂ الم ہیں جو ہیں آشنائے عشق
عاشق نہیں دواؤں کا محتاج اے طبیب
جز وصل یار اور نہیں ہے دوائے عشق

لب زباں پہ آسکے ہے راز عشق　　گوش دل میں آتی ہے آواز عشق

# ردیف ک

جاتے ہوئے دم کو کوئی روکے رہے کب تک　　آنا ہے تو آجا کہ نفس باقی ہے اب تک
کو نین سے کیا کام ہے دیوانے کو تیرے　　آرام نہ ہو اُسکو تجھے دیکھے نہ جب تک
پہنچی ہے یہاں ضعف سے بیعشق کی حالت　　ایسا نس یکایک نہیں آسکتے ہیں کب تک

اسی حسرت میں نکلے گا یہ دم تک　　نہ پہنچا سر مرا تیرے قدم تک
لکھوں کس طرح جو گذری ہے دل پہ　　وہ مضموں آ ہی سکتا ہے قلم تک

دن کو دیکھی تھی اُس پری کی جھلک — نہ لگی رات کو پلک سے پلک

تسکین دل کی خاطر قول و قرار کب تک — تو ہی بتادے ظالم یہ انتظار کب تک

## ردیف گ

رنگینی چمن کو نہ کر مجھ سے تو بیاں — بہتے ہیں مثل اشک مری چشم تر سے رنگ

چاہے کہ سرخ روئی کو نہیں ہو نصیب — اے عشق اپنے چہرے کو خون جگر سے رنگ

## ردیف ل

آگ ہے سینہ میں روشن جائے دل — موج زن ہے شعلہ دریائے دل

اے پری رو دیکھ اس کو مت پٹک — سخت نازک تر ہے یہ مینائے دل

---

ٹکڑے نہ کیوں ہو دل جو سنے آہ سرد دل

اس دل کو دل نہ کہئے نہ ہو جس کو درد دل

ناچار دل کے حکم میں رہتا ہوں روز و شب

اتنا جگر نہیں کہ اٹھاؤں نبرد دل

دنیا میں آپ کو سب مرد گنتے ہیں

نایاب اس جہان میں ہے عشق مرد دل

گوہر اشک نہیں بکتے ہیں افلاک کے مول
تو اگر لیوے تو ہم بیچتے ہیں خاک کے مول

جوہری ہی نہیں پھر تجھ سے بیاں کیا کیجے
ہاتھ آئے ہیں گہر دیدۂ نمناک کے مول

انقلابات جہاں تجھسے بیاں کیا کیجئے
زہر بکنے لگے اس شہر میں تریاک کے مول

پہلے پی زاہد کسی عاشق کے دل سے مل کے مل
فی الحقیقت تب نظر آئیں گے مست گل کے گل

## ردیف م

نہ ہی آغاز سے مطلب ہے نہ انجام سے کام
نہ غرض صبح سے مجھکو نہ مجھے شام سے کام

شورش درد ہی کافی ہے مری تسکیں کو
نہ دل آزار سے مطلب نہ دل آرام سے کام

نہ پرستش ہے بتوں کی نہ خدا کا سجدہ
نہ مجھے کفر سے مطلب ہے نہ اسلام سے کام

عشق کے قتل کو ابرو ہی ترے کافی ہیں
اسکو شمشیر کی حاجت ہے نہ صمصام سے کام

کیا اسلئے ہوئے تھے بیان سینہ چاک ہم
خوش تم ہوا اور یاں پھریں دردناک ہم

ملتے ہیں نیک و بد سے پر آلودگی نہیں — مانند نور اُٹھتے ہیں ہر شے سے پاک ہم
اُمید ہے کہ خاک نہ ہووے یہ منتشر — تم آسمان ابر ہوا اور مشت خاک ہم

---

زلف نے جس تئیں دکھائی شام — پھر اُسے دوسری نہ آئی شام
زلف و رخ کا بیاں تو مجھسے نہ پوچھ — سر پہ خورشید نے اُٹھائی شام

---

کہنے کو ادھر اُدھر گئے ہم — تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تا جان نہ ہو عدول حکمی — تو نے کہا مر تو مر گئے ہم
مدت سے ہیں اپنی جستجو میں — ہیں آپ سے اس قدر گئے ہم
تب سمجھے کہ کیا ہے کفر و اسلام — ان دونوں سے جب گذر گئے ہم
تھا کعبہ و دیر سے کسے کام — مقصود تھا وہ جدھر گئے ہم
جز عشق نہ سمجھے کفر و دیں کو — طرفین سے بے خبر گئے ہم

---

شہر خوباں میں سنو سخت گرفتار ہیں ہم
جو وہ چاہیں سو کریں ان کے گنہگار ہیں ہم
معنی عشق سمجھنا تجھے زاہد ہے ضرور
بندۂ درد ہیں اور صاحب اسرار ہیں ہم

# ردیف ن

دن کو رہتے ہیں بگولے کی طرح سرگرداں　　رات کو داغ کی مانند جلا کرتے ہیں

جان کو بے قرار پاتے ہیں　　دل کو بے اختیار پاتے ہیں

چشم وحدت سے دیکھتے ہیں جو　　ایک ہی کو ہزار پاتے ہیں

مجھے موت کا تو خطر کچھ نہیں　　ترے ڈر رسوا اور ڈر کچھ نہیں

ہنر چاہئے عیب کرنے کو بھی　　یہی عیب ہے جو ہنر کچھ نہیں

چلے چشم سے اور گرے خاک پر　　سن اے اشک ایسا سفر کچھ نہیں

نالۂ سینہ اور رباب کہاں　　گریۂ چشم اور سحاب کہاں

دم میں گو وہ بھی پھوٹ بہتا ہے　　دیدۂ تر کہاں حباب کہاں

دو نو آتش زدہ تو ہیں لیکن　　دل بریاں کہاں کباب کہاں

تجھے کیا کہیں کیا صنم جانتے ہیں　　خدا جانتا ہے جو ہم جانتے ہیں

نے برگ تازہ نے ثمر نو رسیدہ ہوں　　مانند اشک چہرۂ غم پر دویدہ ہوں

شکوہ نہ کچھ رقیب سے مجکو نہ یار سے　　میں اپنے دل کے ہاتھ سے آفت رسیدہ ہوں

از بسکہ اشتیاق ہے دیدار کا مجھے　　مانند آئینہ کے سراپا میں دیدہ ہوں

ناصح ترے کہے سے کرونگا اسے رفو　　تا صبح حشر یوں ہی گریباں دریدہ ہوں

شعلہ برق اور چراغ کہاں — گرمی مہر سوز داغ کہاں

جام جمشید دے اگر ساقی — تیرے ہاتھوں کا وہ ایاغ کہاں

کب ہے فرصت شمار زخم سے دل — میں کہاں اور سیر باغ کہاں

گرچہ دل جل کے خاک ہو جائے — عشق شناکی ہو یہ دماغ کہاں

---

تیغ ابرو کو جب وہ تانتے ہیں — تن سے ہم سر کو دور جانتے ہیں

تاجدار غرور ہیں جتنے — اس کے کوچہ میں خاک چھانتے ہیں

بعد فرہاد کے جو عاشق ہیں — جان کنی عشق تیری مانتے ہیں

---

نام پر تیرے جی کو کھوتے ہیں — ایسے عاشق بھی اور ہوتے ہیں

ابتدا ہی سے یوں چلی آئی — ایک ہنستے ہیں ایک روتے ہیں

---

متنفر ہے بوئے گل سے دماغ — وہ جو آگے تھا اب مزاج نہیں

ستم آباد ہو گیا ہے یہ شہر — کچھ تمہارے ہی گھر میں راج نہیں

درد دل کو سنے کسی کے عشق — شہر خوباں میں یہ رواج نہیں

---

جب زخم دل کو اپنے ہیں وا کیا چمن میں
غنچوں نے منہ چھپایا کٹ کٹ کے پیرہن میں

دل آگ پھیکتا ہے نکلا بری طرح سے
کیونکر دھواں نہ نکلے یارو مرے سخن میں

عاشق کی قبر زاہد تاریک کس طرح ہو
چوں آفتاب تاباں ہو داغ دل کفن میں

کچھ عشق کی حقیقت کیونکر کہوں میں تجھسے
مانند شمع جلتی ہو یہ زباں دہن میں

جوں شمع جل رہا ہوں اُس سخت دل کے ہاتھوں
سر پہ بلا جو آئی کمبخت دل کے ہاتھوں

زور ہے یاں تلک مجھے دیکھ تو اختیار میں
اشک نکل کے تھم رہا دیدۂ اشکبار میں

ملتی نہیں پلک پلک شوق جمال یار میں
دل سے نکل کے پہنچا ہے دیدۂ انتظار میں

خوشۂ لعل میں کہوں یار کی زلف نازکو
غنچۂ دل لٹکتے ہیں طرۂ مشکبار میں

گرمی و ناز کی غضب ناز کی جفا ستم
حسن داد کی کچھ نہ پوچھ لطف سبھی ہیں یار میں

جھوٹ کو یارو خوف ہے سلخ کو آنچ کیا لگے
ایک کے آگے جو کہیں کہدیں وہی ہزار میں

دل میں تیرے نہیں ہے جا عشق سے بیقراری
ورنہ ازل سے نہ بیٹھا ہوں سنگ میں اور شرار میں

دل کے جلنے پر جلوں یا چشم نم کا غم کروں — کس کو روؤں کس کو پیٹوں آہ کیا ہمدم کروں
داغ تیرا دل پہ ہے شمع و چراغ زندگی — عشق کافر ہوں اگر فکرِ و مرہم کر دیا

جور و جفا کو تیرے محبوب کر چکے ہیں — کیا خوب کر چکے ہیں کیا خوب کر چکے ہیں
نازک قدم کو اپنے بیفکر ہو کے یاں رکھ — پلکوں سے اس گلی کو جاروب کر چکے ہیں

اک تجکو آشناؤں کی مرے کچھ خبر نہیں — ٹکڑے ہے مرا جگر وگرنہ کدھر نہیں
دل سے نکل گئے تھے وہ چشم تر اپنا — پھر آ گئے جب سے پوچھا کہا کچھ خبر نہیں
تم دیکھتے عبث ہو مرے جیب آستیں — وہ کون سی ہے جو آنسو سے تر نہیں

زندگی موت کیا دوراہا ہے — تم ادھر ہم ادھر کو چلتے ہیں
جب سے تجھ سے جدا ہوئے ہیہات — سر پٹکتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں

جب خیالِ شراب کرتا ہوں — آبلے دل کے آب کرتا ہوں
دل کا آئینہ سامنے رکھکر — یار کو بے حجاب کرتا ہوں
ایک دن شیخ کو پلا کے شراب — دیکھو کیسا خراب کرتا ہوں
ایک ہی وہ نظر میں آتا ہے — سو طرح سے حساب کرتا ہوں

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تیری سہی ہیں — لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں

یہ داغدار دل نہ کھلا لالہ زار میں — غنچہ جو کھل گیا سو کھلے کیا بہار میں

چین پہ ادا یہ نگاہیں یہ گرمیاں — نام خدا کہاں ہیں کس طرح دار میں

یارب پھرا ہی عشق مگر یاں بہ سہو یا — کیوں ہوے مہر آتی ہے اس شست خار میں

لیا دل اک نظر میں دلربائی اسکو کہتے ہیں — تغافل اپنے بسمل سے خدائی اسکو کہتے ہیں

دیا جب سے آنکھوں میں کحل محبت — جو کچھ تھا نہاں وہ عیاں دیکھتا ہوں

کہوں تجھ سے کیا عشق حالت میں اپنی — کہ ہر شے میں اپنا نشاں دیکھتا ہوں

اے عشق آہ گرم کو دل میں نہ گھونٹ تو — ایسا نہ ہو کہ جل اٹھے یہ مشت گل کہیں

یارب کہنے کی نہیں طاقت شکایت کیا کروں — عشق رخصت دے تو شور حشر اب برپا کروں

ہیں چشم تر اور دیکھتے ہی ہو گئے خفا — دل کی مصیبتیں تو ابھی کچھ کہی نہیں

پاک باز دل کو نہیں مطلوب ایسی خوبیاں — اور ہیں وہ جنکو بھاتی ہیں یہ تیری خوبیاں

درد دل ناتوان جسم کوئی کرتا ہے آہ — الاماں کرتے ہیں اس دم عرش پر کروبیاں

عاشق شیدا ہوا ہے کھو کے دین و دل کو وہ — جس نے دیکھی ہیں تری معشوقیاں محبوبیاں

کیوں نہ ہو خون دل ہے عشق تری چشم سے — برچھیاں اس کی نگاہوں کی جگر میں ڈوبیاں

لا ریب مٹ گیا ہوں کہ نقش جہاں ہوں — پاتا نہیں ہوں اپنے تئیں کیا ہوں کہاں ہوں

کیوں کر نہ کریں خستہ دل میری پرستش — ہر قالب میں جوں شعلۂ جاں گرم رفتار ہوں

تاثیر نہ ہو قول میں کس طور سے میرے — تم جسکو اثر کہتے ہو میں اس کا بیاں ہوں

ظاہر کو میرے دیکھ کے تم سہل نہ سمجھو — بے تاب و تواں گرچہ ہوں تاب و تواں ہوں

صاحب نظراں عشق مرا نام ہے مشہور — گو چشم سے پوشیدہ ہوں پر دل سے عیاں ہوں

---

نایاب آنسوؤں کے ہیں موتی جہان میں — وہ دُر نہیں ہیں یہ جو طلب ہر دوکان میں

تو اپنی بود و باش کو نابود ہی سمجھ — اس کے سوا غلط ہے جو کچھ ہے گمان میں

بے نام و بے نشاں ہو تو نقش و نگیں کو دیکھ — جو کچھ قبا جتیں ہیں سو نام و نشان میں

---

تیری صورت ہے یار آنکھوں میں — دیکھ لے ہے بہار آنکھوں میں

---

سب سے بیگانہ کر کے اے ظالم — درد سے آشنا کیا تو نے

---

جذبۂ حسن تجھے اک کشش ہے لازم — ورنہ اس وادیِ الفت میں کہاں جاتا ہوں

---

نذر کو اور کچھ نہ تھا مجھ پاس — دل بے اختیار لایا ہوں

---

عشق سا دنیا میں رسوا بھی نہیں — کہئے جو بیجا ہے بیجا بھی نہیں

---

دل ہوا پھر کسی کا سودا ان دنوں — ہر طرف ہے شور و غوغا ان دنوں

آستین و جیب و دامن کیا کریں — اشک کا اُمڈا ہے دریا ان دنوں

کیا شگوفہ باغ میں لائی بہار — عشق ہے زنجیر برپا ان دنوں

جز تیرے یہ درد و غم کس سے کہیں　　　تو نہیں سنتا ہی ہم کس سے کہیں

ایک دو باتیں جو ہوں کوئی سنے　　　دل کی خواہش دمبدم کس سے کہیں

بیشتر ہی جور اور ہی مہر کم　　　آہ دل یہ بیش و کم کس سے کہیں

نہ بتخانہ کو جاتے ہیں نہ کعبہ میں بھٹکتے ہیں

جہاں تم پاؤں رکھتے ہو وہاں ہم سر پٹکتے ہیں

بتوں کی سرکشی اور خاکساری اپنی کیا کہیے

جو لپٹوں گرد ہو دامن میں دامن کو جھٹکتے ہیں

فلک تک ہاتھ اٹھا اپنا جفا سے پیٹتا ہی کیوں

ہوئے ہیں خاک تو بھی تیری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں

مرنا ترے فراق میں دشوار کچھ نہیں　　　جینا سوائے تیرے یہ آزار کچھ نہیں

محتاجگی پسند ہی بندوں کی ورنہ یں　　　تیرے سوائے تجھ سے طلبگار کچھ نہیں

صبح سے شام تک تو وعدے ہیں　　　شام سے صبح تک بہانے ہیں

آتش گل صبا بلند نہ ہو　　　عندلیبوں کے آشیانے ہیں

نہ ہنسنے سحر پہ میری کبھی شام فصل باراں　　　کبھی دیکھی ہی منور سحر سیاہ کاراں

نہ گلہ ہی دوستوں کا نہ قصور یار ہر گز　　　مری چشم نے بنایا مرے دل کو ابر باراں

ستانے پر دلوں کے تم کیا کرتے ہو من چلیاں
سمجھ کر دیکھو ہم کہتے ہیں یہ باتیں نہیں بھلیاں

نہال آرزو کو اے فلک یوں بے ثمر رکھا
نہ پھولے گل تمنا کے گریں مرجھا کے سب کلیاں

زباں شیریں و لب شکر سخن قند مکرر ہیں
کروں کس کس کی تعریفیں یہ سب مصری کی ہیں ڈلیاں

پھر ہرے دل دیوانہ پھر لہروں پہ آتا ہے
بہار تازہ پھر آئی ہوائیں عشق کی چلیاں

پیام دل شکستہ عشق آشنا دل سے کہہ دیجو
نہیں آساں قدم رکھنا کٹھن ہیں زلف کی گلیاں

میں کہاں سیر لالہ زار کہاں — تو کہاں اور یہ نزار کہاں
بن ترے یہ جہان سونا ہے — گل و بلبل کہاں بہار کہاں
تو جو کہتا ہے آہ مت کھینچو — دل کہاں اور اختیار کہاں
کس سے کرتا ہے یار قول و قرار — بے قراروں کو اب قرار کہاں
جل ہی جاتا اُسے جوش آتا ہے — عشق عاشق کو انتظار کہاں

عشق کس لہو و لعب میں تو گرفتار ہوا  اہل دل شام سے رو رو کے سحر کرتے ہیں

پھٹتے ہیں میرے دل میں شرار آتش حسن  شگفتگی پہ ہے جوں گل بہار آتش حسن
سپند وار یہ دل ہو گیا بلا گرداں  نمود جب سے ہوا ہے عذار آتش حسن
جو بیقرار ہو اُسکے قرار کو سمجھے  کہ بیقرار ہے ناداں قرار آتش حسن
ہیں اشک سرخ سے اسواسطے ہوں تپتا آب  کہ عشق خوب کھلے لالہ زار آتش حسن

کعبہ سے عشق کھینچ لے آیا کنشت میں  شاید یہی لکھا تھا مری سرنوشت میں
سرمہ دیا جو آنکھوں میں وحدت کے نور کا  تو ہی نظر پڑا مجھے ہر خوب و زشت میں

کون سا ہوگا وہ دن یا رب خدا ہی جانے  عمر گذری ہے یہ سنتے ہیں کہ آپ آتے ہیں

یہ ہر دم بلبلہ سا پھوٹتا ہے  کہاں تک شیشۂ دل کو بچاؤں

آرزو اپنی کو یک لخت قلم کرتے ہیں  جو کسی سے نہیں ہوتا ہے وہ ہم کرتے ہیں
دل و جگر چشم سبھی آرزو یکیں رکھتے ہیں  دیکھئے آج وہ کس کس پہ کرم کرتے ہیں

دیر و حرم کے جھگڑے کو موقوف رکھئے آپ
بتلائیے ہمیں وہ نہیں کس مکان میں

تقریر صاف کرنے پر موقوف کیا ہے عشق
وہ چیز اور ہے کہ اثر ہو زبان میں

دل کو کچھ وادیِ ایمن سے سروکار نہیں — کون سی جا ہے جہاں شعلۂ دیدار نہیں

گل اس روش سے باغ میں ہنستا ہے کیوں مگر — کچھ عندلیب کہہ گئی ہے اسکے کان میں

کاش ہو جائے امتحاں کہیں — تا نہ جائے یہ مفت جاں کہیں

بے سبب یہ غضب خدا سے ڈر — ٹوٹ پڑتا ہے آسماں کہیں

ہم نے اپنی سی جستجوئیں کیں — نہ ملا یار کا نشاں کہیں

دم کی غفلت میں آہ دم ہی گیا — سر اٹھایا تو کارواں کہیں

عشق شاہد ہے نہ ہم دل نہ زباں رکھتے ہیں — پر کوئی پوچھے تو کہتے ہیں کہ ہاں رکھتے ہیں

آہ نے پھونک دیا خاک بھی دل کی نہ رہی — شاہد اس بات کا ہم ایک جہاں رکھتے ہیں

کس کس احوال کو ہم تجھ سے کہیں اپنے عشق — دل میں غم چشم میں خوں لب پہ فغاں رکھتے ہیں

داغ کہئے انہیں معاذ اللہ — فلک دل کے یہ ستارے ہیں

دم بدم تجھکو یاد کرتے ہیں — دل غمگیں کو شاد کرتے ہیں

مجھ سے مت پوچھ یار کی باتیں — قتل کرتی ہے یار کی باتیں

روتے روتے ہوئی ہیں آنکھیں سفید — کیا کہوں انتظار کی باتیں

ہستی بھی یا عدم میں ہوئی نیستی نمود — دھوکا نہ کھا کہ مخفی ہے دریا سحاب میں

ناشاد ہو گئے ہیں اُنھیں شاد کیجیو ۔ یعنی کہ بعد مرگ ہمیں یاد کیجیو

ہو البریز پیمانہ ہمارا ۔ سلامت رکھے حق اس انجمن کو

وہ دل ہی کیا ہی جس کو نہ ہو جستجو تری ۔ وہ کیا زباں ہی جس پہ تری گفتگو نہ ہو

جو آرزو ہی اُس کا نتیجہ ہی انفعال ۔ بہتر یہ آرزو ہی کہ کچھ آرزو نہ ہو

عشق کو قبلہ گاہ مت پوچھو ۔ آہ مت پوچھو آہ مت پوچھو

دل کی باتوں کو دل سمجھتا ہی ۔ دل بیدل ہی یہ جواب مت پوچھو

کس طرح دل کہو اُداس نہ ہو ۔ یار ہو پاس اور پاس نہ ہو

دل سا جگر جو رکھے سو اسکے دو بدو ہو ۔ مُنہ دیکھو آئینہ کا جو اسکے روبرو ہو

حسرت کو دل میں مت رکھو شمشیر آزمائے ۔ ہم مر گئے بلا سے دنیا ہو اور تو ہو

گو باغ میں جہاں کے پھولے ہیں پھول لاکھوں ۔ اُس گل پہ دل فدا ہی جس گل میں اُسکی بو ہو

اتنا پیام کہدے کوئی چشم یار کو ۔ نومید کیوں کیا دل امیدوار کو

نخل امید اپنا خزاں ہی میں جل گیا ۔ کہیو سلام یارو ہمارا بہار کو

ہی پائمال عشق نہ لت خوردہ فلک ۔ انصاف ہو تو بھولو نہ اس خاکسار کو

معلوم قدر عشق کی ہوگی تم کو جب — سمجھوگے اُس کے شعر کو اسکے شعار کو

بے خبر صورت عیاں ہو تن تنہا آیا ہو — آئینہ دار جہاں ہوں تن تنہا آیا ہو

آپ کو چشم حقیقت سے جو دیکھا میں نے — وہم و پندار و گماں ہوں تن تنہا آیا ہو

خط اگر کھینچے دو عالم پہ تو دیکھے مجھکو — بے نشانی کا نشاں ہوں تن تنہا آیا ہو

صورت و آئینہ و عکس مری شانیں ہیں — کس سے مخفی ہوں عیاں ہوں تن تنہا آیا ہو

عشق سب کچھ ہوں کہوں تجھ سے حقیقت اپنی — بندۂ پیر مغاں ہوں تن تنہا آیا ہو

## ردیف ہ

وہ دن گئے جو لب پہ تھی ہر وقت آہ آہ — نکلے ہے یار ضعف سے آپ گاہ گاہ آہ

مانند اشک خلق کی آنکھوں سے گر گیا — جسکی طرف سے پھر گئی تیری نگاہ آہ

اس مملکت میں یہ بھی کوئی پوچھتا نہیں — کرتا ہے کس کے ظلم سے تو بیگناہ آہ

تاثیر ہی نہ ہو تو نہیں عشق معتبر — ہوتی ہے دل کے جلنے پہ حضرت گواہ آہ

آتے ہی میرے دور باش ہے یہ — یہ زباں یا قلم تراش ہے یہ

بے نیازی تری قائم رہے اور ناز بھی ساتھ

حسن جانسوز بھی اور چشم فسوں ساز بھی ساتھ

عشق کے دام میں جب سے پھنسے آکر صیاد
لطف گلشن بھی گیا اور پر پرواز بھی ساتھ

# ردیف ی

وہ سوار سمند ہوتا ہے
پھر یہ فتنہ بلند ہوتا ہے
عشق کا شعر اس کو خوش آوے
جو کوئی درد مند ہوتا ہے

آنکھوں میں میری کس کے تصور کا رنگ ہے
ہر شیشہ سرشک حباب فرنگ ہے
گر عزم جنگ ہے تو میاں کیا درنگ ہے
شیشہ مرا ہمیشہ سے مشتاق سنگ ہے
معشوق کے حضور میں باطل ہیں سب طلسم
دیکھا ہے جس نے آئینہ حسن و رنگ ہے
ہر وقت کیوں پٹکتے ہو تم خاک پر اسے
یہ تو مرا دل ہے نہ شیشہ نہ سنگ ہے

چشم اور اشکبار کیا کہئے
میں اور یہ انتظار کیا کہئے
مدت مکدر رہو مجھسے آئینہ وار
آئینہ کو غبار کیا کہئے

ٹپکتا ہی لہو آنسو کے بدلے
الٰہی چشم یا زخم کہن ہے
نہیں پتھر میں یارو یہ بہا لعل
یہ خون آرزوئے کوہکن ہے
ای شمع جگر سوز یہ فانوس جلا دے
یعنی کہ مرا خرقہ سالوس جلا دے

اس آگ کو میں ڈھونڈتا پھرتا تھا جہاں میں　　جو آرزو و حسرت و افسوس جلا دے

غیرت کو مری ننگ ہے غیرت سے جہاں کی　　وہ ننگ کہ جو ننگ کا ناموس جلا دے

نعرہ جو کروں دیر میں تھرا کے گریں بت　　شرمندہ برہمن ہو کہ ناقوس جلا دے

تمنا سے نہ تھا کچھ کام آگے　　نہ اب بندے بنے ہیں آرزو کے

کس کی بستی ہے کون بستا ہے　　کربلا جس کے گھر کا رستہ ہے

فیض یار اس سے ہے تبسم گل　　جب میں روتا ہوں یار ہنستا ہے

ساقی اس دور میں رہوں مخمور　　جام دے جام دل ترستا ہے

سنگ کعبہ کے قیمتی ہیں کیا　　فخر یہ ہے کہ یار بستا ہے

عشق میں عشق یہ ہوا حاصل　　ابر مژگاں سے خوں برستا ہے

جس کا رہ عشق میں گذر ہے　　ہستی سے وہ اپنی بے خبر ہے

سنتا ہے جلا نہ اس کو ناحق　　گو دل ہے مرا ترا ہی گھر ہے

رخصت ہوئی عذر خواہ مجرم　　کیا جانئے کون چشم تر ہے

دل لیکے پوچھتے ہو کہ دلدار کون ہے

ہم کس طرح کہیں کہ طرحدار کون ہے

ہمسایہ آہ و نالہ کو سن کے کہتے ہیں کہ آہ

آزار کیا ہے اس کو یہ بیمار کون ہے

بخشے جو دل کو زندگی اور مستمع کو لطف
ایسے کلام پاک سے بیزار کون ہے

بیدست و پا بھی جاتے ہیں لاکھوں ہی جسکے ساتھ
یارے کہو یہ قافلہ سالار کون ہے

رندی و مستی شوق سے کر عشق ہے یہ سن
جب وہ ہوا غفور گنہگار کون ہے

---

جس قدر صاف ہیں ترے عارض — آئینہ میں کہاں صفائی ہے
مجھ سے وہ بت جدا ہے کیونکر — بندگی سے مری خدائی ہے

---

بیتاب کیا زباں کو ترے آگے ہل سکے — رہ جائے دل کی دل ہی میں منہ سے نکل سکے
یہ آبجو نہیں کیا ہیں جو ہم چشم اشک ہوں — اشک رواں کے آگے سمندر نہ چل سکے
حیرت زدوں کو کام نہیں برگ و بار سے — تصویر کا درخت نہ پھولے نہ پھل سکے
ای عشق اس غزل کے تئیں کہہ بطرز درد — جو اس کے قافیہ کے تئیں تو بدل سکے

---

عشق کو کیا لعل و گہر چاہیے — دل میں شرر دیدۂ تر چاہیے
ہستی موہوم پہ نازاں نہ ہو — عشق تجھے عزم سفر چاہیے

---

آہ سینہ میں کیا کھٹکتا ہے — دم جو یوں دمبدم اٹکتا ہے

یار چاروں طرف نمایاں ہے  عشق تو اب کدھر بھٹکتا ہے
اور باتوں کو عشق کم کیجئے  آہ و زاری کو دم بہ دم کیجئے

کون شاکی تری جفا کا ہے  جس قدر ہو سکے ستم کیجئے
ہجر میں تیرے کہاں تک ہوں گریاں ساقی  جام دے جام کہ برسات چلی جاتی ہے

کم نہیں ہوتے شب روز کے وعدے تیرے  رات دن عمر ہی ہیہات چلی جاتی ہے
مرتے مرتے گئی نہ تنہائی  آخر شب وصل خوب تو آئی

مری صورت سے ہو گئیں بیزار  طاقت و صبر اور شکیبائی
پہلے تو مجکو عشق کہتے تھے  اب لقب ہو گیا ہے سودائی

ثابت نہیں یہ شیشہ دل سینہ میں میرے  آنکھوں سے تیری جب سے گذار چور ہوا ہے
جس شخص نے بھی ایک نظر دیکھا ہے تجھکو  رسواؤں میں عالم کے وہ مشہور ہوا ہے

غلط ہے مجھے کام کیا ماسوا سے  خدا ہی کو میں مانگتا ہوں خدا سے
مصیبت گلے آکے اسطرح لپٹی  کہ جیسے ملے آشنا آشنا سے

جب سے دل نے یہ داغ پایا ہے  اور ہی کچھ دماغ پایا ہے
دل کی گلیوں میں جسکو راہ نہیں  کس نے اس کا سراغ پایا ہے

ہوں سوختہ دل فکر کوئی تازہ نہیں ہے  اک شعر یہ جستہ مری آہ حزیں ہے

وہ شکر و شکایت کیسے جو آپ ہی کچھ ہو — عارف کی نظر میں نہ چناں ہے نہ چنیں ہے
کس پاس پھروں عشق لیئے شعر کو اپنے — سودا جو ترا بار تھا سو وہ در کہیں ہے

---

یہ سراپا بہار کس کا ہے — چشم بد دور یار کس کا ہے
تم ہو اور میں ہوں تیز خنجر ہے — پھر کہو انتظار کس کا ہے

---

تو ہے اور جوش جلوہ فرمائی — میں ہوں اور بیکسی و رسوائی
تیرا دیدار ہی نصیب نہ ہو — خاک میں جائے ایسی بینائی
شمع و بے ترے کٹے کیونکر — شب تاریک اور تنہائی
مضطرب حال کیوں نہ ہو میرا — میں کہاں ہوں کہاں شکیبائی

---

ڈھونڈ کر اس کو میں نکالا ہے — نور کا جس کے یہ اجالا ہے
قدموں پہ جس نے دل باندھا — اس کا عالم میں بول بالا ہے
کس طرح سے جگر نہ روشن ہو — انھیں داغوں پہ تیل ڈالا ہے

---

وہم اور فہم سے تو برتر ہے — دل بیدل میں پر ترا گھر ہے
کب اطاعت سے تیری باہر ہیں — جو خدا کا دیا ہے سر پہ ہے
ہر کوئی نیک و بد سمجھتا ہے — نہ ملو ہم سے خوب بہتر ہے
تم کبھی تو چل کے دیکھ لو اس کو — اندنوں حال عشق ابتر ہے

مجکو مشکل ہے تجکو آسان ہے　　درد کا میرے تو ہی درماں ہے

شور اور درد سے نہیں خالی　　عشق رونا ہے یا کہ طوفاں ہے

جاتا ہے جہاں فکر تجھے واں کی پڑی ہے　　کس طرح یہاں بیٹھوں اجل سر پہ کھڑی ہے

حسرت کو مری دیکھ کے حسرت لگی جلنے　　حیرت بھی مجھے دیکھ کر حیران کھڑی ہے

جز عاشق و معشوق سمجھتا ہے اسے کون　　کر قصہ کو کوتاہ کہانی یہ بڑی ہے

بارش نے مرے آنسو کی برسات کیا ہے　　کھلتی نظر آتی نہیں آنسو کی جھڑی ہے

جہاں میں درد و محبت کی راہ اچھی ہے　　جو اچھے ہیں وہی کہتے ہیں چاہ اچھی ہے

نگاہ مہر کی ہو یا غضب کا تیور ہو　　کسی طرح سے وہ ہو وے نگاہ اچھی ہے

لگا وہ ہنسنے مجھے کہنے آہ آہ نہ کر　　ہمیشہ خوب نہیں گاہ گاہ اچھی ہے

آنکھوں کو تری دیکھیں گے میخانہ کہیں گے

ہونٹوں کو جو پوچھو گے تو پیمانہ کہیں گے

وابستہ تری ذات سے بستی ہے جہاں کی

جب تو نہ ہوا خلق میں ویرانہ کہیں گے

یہ بات جو ہے آج دم نقد عزیزاں

اس عشق کو سنتے ہو کل افسانہ کہیں گے

ساقی کو کہو جام و صراحی کو اُٹھا لے — کیا دست نگر آنکھوں کے ہیں دیکھنے والے
ہر خار جو سر سبز نئے سر سے ہوا ہے — دیوانے کے پھوٹے ہیں مگر پاؤں کے چھالے

کچھ نہ پوچھ جو حال باقی ہے — بدر سے اب ہلال باقی ہے
لیکے دل مانگتا ہے وہ جی کو — یہ جواب و سوال باقی ہے
عشق کو دیکھ نزع میں بولا — ابھی یہ پائمال باقی ہے

جو کچھ کہ گذری ہے مجھپہ ظالم سو اُسکی تجکو خبر نہیں ہے
شکایت اسکی کروں سو بیجا مرے ہی دل میں اثر نہیں ہے
عبث تو کہتا ہے عید کل ہے خوشی ہو کس طرح اسکی مجکو
نہیں سنا ہے یہ تونے ظالم کہ شام غم کی سحر نہیں ہے
یہ عشق میرا مجھے ہے کافی سوائے اسکے نہ کچھ طلب ہے
فلک کی دولت میں کیا کروں گا بلا سے میری اگر نہیں ہے

مقصود صرف یہ ہے عاشق کو یار کا — میں آس پاس ہوں نہ رہے آس یار ہے
گو مثل دل بغل میں کبھی معشوق عشق ہو — لیکن شب فراق سے وسواس آ رہے

یہ نفس کا جو تار باقی ہے — یار جی کا دیدار باقی ہے
وصل تیرا اگر میسر ہو — زندگی کی بہار باقی ہے

وہ آفتاب رہے گو نظر رہے نہ رہے　　چراغ خانہ رہے آہیں گھر رہے نہ رہے

جو بے خبر ہو خبر سے خبر اسی کو ملے　　تری خبر ہے یہ بے خبر ہے نہ رہے

جہاں ہو جس سے منور برنگ شمس و قمر　　وہ نور دیدہ رہے چشم تر رہے نہ رہے

یہ رنگ آنکھوں کے رونے کا ہو اُس نے اُڑا لی ہے　　کہاں تک میں انہیں بہلاؤں تصویر خیالی سے

نمود آئینہ دل میں جو بے صورت کی صورت ہے　　مثالیں کیا بیاں کیجئے جہاں بے مثالی ہے

دل کے کہیں آزار نہیں کہنے کے　　مر جائیں گے پر یار نہیں کہنے کے

بیزار رسومات سے ہے کفر حقیقی　　اس رشتہ کو زنار نہیں کہنے کے

جل جائیں ابھی شمع کے مانند زباں بھی　　پر عشق کے اسرار نہیں کہنے کے

دل جو لینا تھا لے چکا آ کے　　اب کبھی وہ آنکھ ملاتا ہے

عشق دیوانگی سوا تجھکو　　کس سے رشتہ ہے کس سے ناتا ہے

میرے سینہ سے نہ جیو داغ دوستی　　حشر تک روشن رہے یارب چراغ دوستی

گو صبا قاصد ہے یا اشک گلگوں نامہ بر　　عشق میں پر کون پہنچا ہے بلاغ دوستی

دل میں دیکھا تو یار بیٹھا ہے　　آئینہ میں بہار پیدا ہے

دل کی حالت خدا سمجھتا ہے　　آنکھ سے انتظار پیدا ہے

کچھ تو ہوتا ہے کچھ نہیں ہوتا　　خبر اور اختیار پیدا ہے

مے خوری ہم سے کیوں چھپاتے ہو — آنکھ سے تو خمار پیدا ہے
دل کے ناسور کی نہ پوچھ تو عشق — دیدۂ اشکبار پیدا ہے
کیوں بسمل اتنا تجکو وہ قاتل عزیز ہے — دل کہے مرے نہ پوچھ وہ ہر دلعزیز ہے
عاشق کی بات عشق زمانے سے ہے جدا — اپنی عزیز جان سے قاتل عزیز ہے
کیا شکایت کروں زمانے سے — بیکسی آئی دل کے جانے سے
سر اٹھائیے اگرچہ تیغ جفا — سر نہ اٹھے اس آستانے سے
ہیں پیش دست اگرچہ گرفتار اور بھی — قربان تیرے ایک تو تلوار اور بھی
دل بھر چشم خشک زباں پہ فغاں نہ آہ — ہم سے بھی ہونگے مفلس نادار اور بھی
جس درد کے علاج سے مر گئے ہیں طبیب — ہے عشق کے سوا کوئی آزار اور بھی
بیمار تیری چشم کے گو سیکڑوں ہیں — دیکھا ہے کوئی عشق سا بیمار اور بھی
تا زندگی تو ہجراں ہی میں رو چکے — ہے دل یہی تو مر کے بھی لمبی نیند سو چکے
کیا جانیے ہو دل اس کا تو جا دیکھا تماشا — ہم تخم عشق تیرے دل میں تو بو چکے
آہ دل سے غم مجھے آزاد کیونکر کیجیے — عشق میں محبوب ہی فریاد کیونکر کیجیے
ظلم نے تیرے کیا ہے ملک دل کو بے چراغ — کشور ویراں کو پھر آباد کیونکر کیجیے
نقش ہے جان جی دل پہ ہمارے پاؤں کا — آنکھوں میں یہ کھٹکے ہے برباد کیونکر کیجیے

جب سمت باغ ہو کر تو بانکپن سے نکلے — بلبل چمن سے نکلے گل پیرہن سے نکلے
ان سب خرابیوں کو تو دیکھتا ہے — ہم جانتے تجھے پہلے جس دن وطن سے نکلے
آنسو بھی چلتے چلتے ان آنکھوں تھم چلے — آنا ہو تمکو آ دیکھ جا اب ورنہ ہم چلے
نہیں ہے تیری فرقت سے اگر دل کا جگر پانی — کہاں سے رات دن لاتی ہے پھر یہ چشم تر پانی
وفور موج غم نے اب تو وہ دریا بہایا ہے — کہاں جاؤں کدھر بیٹھوں ادھر پانی ادھر پانی
کلیجہ آئینے کا دیکھ تجھکو آب ہوتا ہے — تعجب کیا جو ہو جائے ہمارا بھی جگر پانی
ساقی مت کہہ کہ جام آخر ہے — مے پرستوں کا کام آخر ہے
آنکھیں رو رو کے دل کہتا ہیں — اب ہمارا بھی کام آخر ہے
عشق اتنی رسوائی خوب نہیں — ننگ آخر ہے نام آخر ہے
کیسی ہے دل میں آتش آنکھوں پر آب کیا ہے — تو بے خبر نہیں ہے یہ آب و تاب کیا ہے
تا زندگی تو میرے محبوب ہی رہے تم — مہماں ہوں کوئی دم کا اتنا حجاب کیا ہے
اٹھو ادھر سے ای دل میں بھی ہوا کچھ سمجھتا — تجھکو قسم ہے سچ کہہ یہ اضطراب کیسا
پیری کی صبح چمکی کم ہے شب جوانی — ای عشق جاگ اب تو اتنا بھی خواب کیسا
چھپ گیا مہر ہے شفق باقی — اب بھی آ جا کہ ہے رمق باقی
سر بھی قاتل کو کر دیا ہم نے — رہا گردن پہ تو کبھی حق باقی

دفتر زندگی تمام ہوا — رہ گیا عشق کا سبق باقی

---

عشق کو کیا عیش و عشرت چاہیئے — نالہ و فریاد و رقت چاہیئے

سلطنت لینا تو کچھ مشکل نہیں — چھوڑنے کو اس کے ہمت چاہیئے

آہ و نالہ عشق کا موزوں ہوا — شعر کہنے کو مہارت چاہیئے

---

وصل کی رات مجکو یاد آئی — وہ ملاقات مجکو یاد آئی

بات پر بات نکلی آتی ہے — چھیڑ سے بات مجکو یاد آئی

---

جب سے کہ عشق عشق کی ہستی نظر پڑی — ویرانگی جہاں کی بستی نظر پڑی

وہ چشم خوں فشاں کہ تھی آئینہ جہاں — دیدار کو وہ روتی ترستی نظر پڑی

---

غلط ہے ادھر یا ادھر جائیں گے — جدھر تم چلو گے ادھر جائیں گے

جئیں گے تری یاد رہ جائیں گی — وگرنہ یہ دن تو گذر جائیں گے

جہاں کے چلن سے یہ ظاہر ہوا — کوئی شام کوئی سحر جائیں گے

---

تم دیکھو اس طرف کو ادھر بھی کبھی کبھی — احوال پر ہمارے نظر بھی کبھی کبھی

مانند آفتاب کے پھرتے ہو دربدر — لازم ہے اس طرف کو گذر بھی کبھی کبھی

کچھ ان دنوں ہی ہو گئی ہے آہ بے اثر — آگے تو دیکھتے تھے اثر بھی کبھی کبھی

لخت جگر تو ہوں تو نہیں، اشک معتبر — اے چشم اشکبار تر بھی کبھی کبھی

اگر الفاظ و معنی میں سخن کو خوشنما نکلے — قبولِ دل نہ ہووے جو نہ انداز و ادا نکلے

مرقع کی جہاں کے اسلئے میں سیر کرتا ہوں — کہ شاید کوئی تصویر وفا صورت آشنا نکلے

خموشی روبرو نازک دلوں کے عشق بہتر ہے — سخن کس بل پہ بیٹھے اور تیرے منہ سے کیا نکلے

روز و شب اس طرح سے ہم رہتے — یہ دُرِ بے بہا عبث کھوتے

تجھ سے جو آشنا نہ ہم ہوتے — کاہیکو ہنستے کاہیکو روتے

تم جو کہتے ہو دل کو مفت نہ کھو — ایسے ہوتے تو ایسے کیوں ہوتے

کوچے میں ترے یاں تک ہے ظلم کی طغیانی — کفار بھی کہتے ہیں یہ ننگِ مسلمانی

ہم چشم نہ ہووے ابر ہم سے — ہے آگ برستی چشم نم سے

گردش تری چشم کی ہے کافی — کیا کام ہے دل کو جام جم سے

یہ ہم سے نہ ہوگا یار میرے — فریاد کریں تیرے ستم سے

جل جائے فلک تو کیا عجب ہے — اٹھتے ہیں بھبھوکے عشق غم سے

لوحِ مزار ہو کہ سرِ تاجدار ہو — مانندِ گل عزیز رہے ہم جہاں رہے

بے عکس آئینہ میں نظر آئے کیا ظہور — تم سامنے نہ ہو تو میاں ہم کہاں رہے

دشتِ عدم کی سیر تو کی اتنی ہم نے عشق — تھک تھک کے آگے پیچھے یقین گماں رہے

از صبح تا بشام فلک چرخ کھا سکے — سرگشتگی ہماری کو لیکن نہ پا سکے

پاس ادب ترا جو نہ ہوئے تو پل میں یار　　رو رو کے میری چشم جہاں کو ڈبا سکے
اس بے نشاں کا نام کوئی کیا بیاں کرے　　جس گم شدہ کی گرد کو عنقا نہ پا سکے
طاؤس وار داغ جو کھائے ترے تمام　　وہ دل ہلوں کے دل کے مقابل نہ آسکے
اپنی طرح کی تیسری کہہ اور بھی غزل　　جس سے کہ عشق درد کی لذت اٹھا سکے

---

جسے زلف و رخ سے سروکار ہے　　اسے روز روشن شب تار ہے
تکلف ہی ہے جو جاؤں گلگشت کو　　مری چشم میں تو ہی گلزار ہے
انا الحق سے قادر اسکی پڑھتی نہیں　　حقیقت میں منصور سردار ہے
خریدار کس طرح ہووے فقیر　　ترے حسن کا گرم بازار ہے

---

عدم کو تھے وجود اپنا بنا شکل انساں کی　　تکلف بر طرف بے صورتی اپنی نمایاں کی
پریشانی حال اپنا کہوں کیا سو یہ ہو سمجھے　　تری زلفیں نمونہ ہیں مرے حال پریشاں کی

---

ہمیں خاک و خوں میں اٹا کر چلے　　سلامت رہو تم دعا کر چلے
کبھی آئے سرگشتہ ہوں گرد باد　　ترے کوچے میں خاک اڑا کر چلے
انہیں راہ گلزار وحدت میں ہے　　تعین جو اپنا مٹا کر چلے
ترے کوچے میں آئے مانند ابر　　ذرا ٹھہرے آنسو بہا کر چلے

---

گدا ہے نہ کوئی یہاں شاہ ہے　　حقیقت میں اللہ ہی اللہ ہے

میں مرتا ہوں اسکو پروا نہیں
عبث کہتے ہیں یہ دل راہ ہے

سُنا ہے کہ وہ آج آتے کو ہیں
خدا جانے سچ ہے کہ افواہ ہے

درد دل کا بیان تجھ سے ہے
زندگی میری جان تجھ سے ہے

ہمسایہ کو سونے دے خدا سے کہیں ڈر بھی
فریاد میں دیکھا ہے کبھی اپنے اثر بھی

تعمیر میں نابود کے رہتا ہے شب و روز
آتا ہے کبھی دل میں ترے عزم سفر بھی

تجھکو جو کہوں قبلہ مقصود بجا ہے
اے کعبہ من تو ہی مرا قبلہ نما ہے

دکھلا کے مجھے اوروں سے ملتے ہو عبث تم
جب تم ہوئے غیروں کے تو میرا بھی خدا ہے

لخت دل سوئے دیدہ آتا ہے
ٹوکو مت ! نور دیدہ آتا ہے

دل دھڑکتا ہے آج کچھ بے طور
کوئی خنجر کشیدہ آتا ہے

کیوں کر نہ ملے انہیں خدائی
کرتے ہیں بتوں سے جو بھلائی

اے شیخ چلو تو اس گلی میں
دیکھیں گے تمھاری پارسائی

خون دل کرتی ہے ضائع چشم نرگس کیلئے
ہے جو کچھ اپنے لئے اے بیخبر کس کیلئے

جب مجھے دی جاتی رہی نفع و ضرر یکساں ہوا
پھر تردد کس لئے اور درد سر کس کیلئے

اس زمانے میں ہنر مندی سراسر عیب ہے — کوئی جو پیدا کرے یارب ہنر کس کیلئے

گو آپ کو خیال کسا رکھوے — پر تجھکو نہ میرے یار رکھوے

کوچہ ترا کب ہوا فراموش — رستے ہمیں گو ہزار رکھوے

کچھ حاصل دوستی نہ پوچھ — یہ بس ہے کہ ننگ و عار رکھوے

کھووے کوئی عشق کیسے تجھکو — گو صورت روزگار رکھوے

تو نظر سے چشم کو کیونکر چھپائیے — اس سے جو دل اٹھائیے کس سے لگائیے

مخفی نہیں ہے تم سے جو کچھ میرے دل میں ہے — پھر اپنے دل کا بھید تمہیں بھی بتائیے

آنکھوں کا نور، دل کی تسلی، صفائے جاں — انصاف کیجیے ایسے کو کیونکر بھلائیے

کیا فائدہ جو اس سے ملاقات ہی نہ ہو — یا الغرض مثل خضر اگر عمر چاہیے

## فردیات

## ردیف یا

زندگی کی بہار تجھ سے ہے — مجھکو جو کچھ ہے یار تجھ سے ہے

حاصل درد عشق یار نہ پوچھ — تا دم مرگ روز اول ہے

تیرے بن کرنی پڑی کس کس کی دل داری مجھے

دل کی آنکھوں کی جگر کی ناز برداری مجھے

اُجاڑا ملکِ دل ناحق ہمارا — زہے خوباں تمہاری بادشاہی

تو نے شمشیر جب اُٹھائی ہے — ہم نے گردن وہیں جھکائی ہے

بارِ ہستی اپنے سر سے دھر چلے — ہم مہمِ زندگی سر کر چلے

تم نہیں آتے جی نہیں جاتا — پھر کہو مہرباں کیا کیجئے

تیر پہلو میں میرے آ بیٹھے — جس گھڑی تجھ سے وہ جدا بیٹھے

لڑائیں گے اُسی معشوق سے آنکھ — جو پہلے قتل کا بیڑا اُٹھائے

کیونکر ملیں گے تجھ سے جب تک عدم نہ ہوں گے

اُس وقت تم ہی تم ہو جس وقت ہم نہ ہوں گے

درد سے دل بھرا ہی آتا ہے — کیسے یہ اشک دم بدم نہ چلے

دل کی باتیں کہئے کیوں کر — غم سے کوئی محرم ہے؟

آہ سے اور اشک سے سرسبز ہے یہ باغباں — حق ہماری تربیت کا رونقِ گلشن پہ ہے

نے دردِ غم باقی نہ آہ و نے فغاں ہے — اے شورِ عشق سچ کہہ تو ان دنوں کہاں ہے

مثلِ نے ہر استخواں اک درد کی آواز ہے — کچھ نہیں معلوم ہوتا سوز ہے یا ساز ہے

دردِ دل کا بیان تجھ سے ہے — زندگی میری جان تجھ سے ہے

رات ہی اپنی نہ ہمدم آہ و زاری میں کٹی — زندگی جتنی کٹی اپنی سوگواری میں کٹی

اوروں کا جگر یار جو تیروں سے سئے ہے — یہ عاشق جاں باختہ کس دن کیلئے ہے

نے صورت امید ہے نے شکل یاس ہے — کچھ خود بخود ہی آج مرا دل اداس ہے

زلف و رخ پر تیرے دل نے جو نظر باندھی ہے — چشم بد دور عجب شام و سحر باندھی ہے

کوچے میں ترے یاں تک ہے ظلم کی طغیانی — کفار بھی کہتے ہیں یہ ظلم و مسلمانی

اپنے تھے جتنے کام خزاں نے کئے تمام — کہیو سلام عشق ہمارا بہار سے

پردۂ دل میں چھپا آہنگ شور انگیز ہے — جو شنید استخواں ہے شعلہ تبریز ہے

بولئے تو زبان جل جائے — چپکے رہئے تو جان جل جائے

نہ ہو فرق جب حق و باطل کا یارو — تو واللہ ہم ایسی ہستی سے گذرے

تصور سے تیرے دل شاد رکھو — خدا اس گھر کو یونہیں آباد رکھے

کعبہ و دیر سے فراغت دی — تیرے قربان آستانے کے

جفائیں تیری یاد رہ جائیں گی — وگرنہ یہ دن تو گذر جائیں گے

آنسو بھی چلتے چلتے ان آنکھوں سے تھم چلے

آنا ہو تم کو آؤ بھی اب ورنہ ہم چلے

# انتخاب ساقی نامہ

سن ای ساقیٔ مست ناز و غرور
سن ای آتش انداز صید کوہ طور

سن ای ساقیٔ تاجدار بہار
سن ای ساقیٔ رونق روزگار

سن ای ساقیٔ حاصل سوز و ساز
سن ای لطف پرداز ناز و نیاز

سن ای بیقرار دل صبر و قرار
سن ای ناتوانوں کے غمرو نیاز

سن ای بادشاہ خراباتیاں
سن ای کبر سوز مناجاتیاں

سن ای ساقی رونق افزائے جام
لبالب کر اب جام آئینہ فام

# ساقی کو قسمیں

قسم ہے تجھے جان بیتاب کی
قسم ہے تجھے عالم آب کی

قسم ہے تجھے سایۂ تاک کی
قسم ہے تجھے سینۂ چاک کی

نگاہ مروت کی تجھکو قسم
شراب محبت کی تجھکو قسم

قسم ہے تجھے چشم پرخواب کی
قسم ہے تجھے زلف پرتاب کی

نہیں مجکو معلوم اپنا گناہ　　کہ رحمت کی کیونکر پھیری ہے نگاہ
ترے جور کی کچھ شکایت نہ کی　　تمنا سے بھی کچھ حکایت نہ کی
نہ کی آرزو دل کی تجھ سے بیاں　　نہ کی چشم کی خون فشانی عیاں
چھپایا ترے عشق کا دل میں داغ　　ہوا داغ ہی دل کا چشم و چراغ

## طلب جام

تغافل کو اپنے نہ فرما تو کام　　کہ جوشش سے دے بھر کے اب مجکو جام
کہ پی کر میں اس آتشیں جام کو　　جلاؤں میاں ننگ کو نام کو
زباں پر نہ آئے کوئی گفتگو　　رہے دل میں میرے نہ کچھ آرزو
طلب ہے یہی اور یہی جستجو　　تمنا یہی ہے یہی آرزو
شتابی سے بھر جام یاقوت رنگ　　کہ چھوٹے اس آئینۂ دل سے زنگ
پلا اس مئے آرزو سوز سے　　فراغت ہو مجکو شب و روز سے

# انتخاب سوز وگداز

ہائے حسرت کو مری غیر خدا جانے کون؟ غم جاں سوز کو جز عشق کے پہچانے کون
کس کے آگے میں کہوں اور اسے مانے کون پردۂ دل میں اسرار آتش کے تئیں چھپانے کون
رگ گردن کو تہ تیغ بلا تانے کون موت کو شمع صفت سر پہ بھلا ٹھانے کون

غیر پروانہ جگر نیست کہ گردت گردد
طاقت ہیچ بشر نیست کہ گردت گردد

نرگس چشم کا بیمار کوئی آگے تھا لب گلگوں کے بھی سرشار کوئی آگے تھا
تیری زلفوں کا گرفتار کوئی آگے تھا بلبل گلشن رخسار کوئی آگے تھا
حسن کا آئینہ بردار کوئی آگے تھا تیری خوبی کا خریدار کوئی آگے تھا

از ازل سوختۂ شمع رخت من گشتم
آتشے دیدم و یک شعلہ ہمہ تن گشتم

تا بکے درد سے اب نالہ و فریاد کروں کب تک اس جور و جفا کو تری میں یاد کروں
کس طرح اس دل ناشاد کو پھر شاد کروں شکوۂ جور کی بنیاد کو برباد کروں
جی میں آتا ہے نیا طرز اک ایجاد کروں دل وارفتہ کو اس غم سے میں آزاد کروں

یعنی بر درگہ تو آیم و سر بر دارم
کہ ازیں زندگی بے دوست بجاں بیزارم

# رباعیات

ہم ساری مصیبتوں کو سہہ سکتے ہیں — اور حرفِ تمنا کو نہ کہہ سکتے ہیں
ضبط کا اپنے کرشمہ تو دکھا دیں اے عشق — پر کیا کریں اُس بن نہیں رہ سکتے ہیں

---

تا چند حدیثِ این و آں میں بکھروں — کب تک غمِ دین و درد و فکر دنیا میں ہوں
از بہرِ خدا اے عشق مجھے جلد بتا — حیران ہوں کیا کروں کہ پھر کچھ نہ کروں

---

ہستی نے وجود اگر نہ پایا ہوتا — دنیا کا یہ رنج کیوں اُٹھایا ہوتا
سب عمر کٹی گناہ کرتے کرتے — اے کاش جہاں میں میں نہ آیا ہوتا

---

ہے خوب بتوں سے بیوفائی کیجے — سنگین دل سے کہاں تک آشنائی کیجے
اک نکتۂ عشق دل کو سمجھاتا ہوں — دل دیجیے خدا کو اور خدائی کیجے

---

ہے کفر اگرچہ حق کو بھی غیر کہوں — پر کعبہ کو کس طرح سے میں دیر کہوں
لاریب دلیل اینما کنتم ہے — لازم ہے کہ ہم کعبہ و ہم دیر کہوں

---

دنیا میں عجیب دلربائی دیکھی — ہم نے تو بتوں میں بھی خدائی دیکھی
دل لیکے وہ کہہ رہے ہیں کیا جانوں — آنکھوں میں بھی ان کی یہ صفائی دیکھی

# کلام شاد

مترجم القادر، مولانا ابوالکلام اور حسرت موہانی جیسے
ان سخن کا اتفاق ہے کہ شاد عظیم آبادی مرحوم غزل میں ایک
نگ کے تنہا مالک تھے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے ایک مختصر مقدمہ میں
شاد کی چند نمایاں خصوصیتوں پر روشنی ڈالی ہے
ب کی خوبیوں میں شاد مرحوم کی تصویر نے مزید
کر دیا ہے۔

قیمت صرف عہ دو روپے

ملنے کا پتہ

شاہ سید محمد عزیز الرحمن۔ محلہ لودی کٹرہ پٹنہ سیٹی